سُلطان نصیر

نزولِ مسیح آخر کیوں؟

سلطان نصیر

بجواب

"نزول مسیحؑ آخر کیوں"

مصنف

انصر رضا

Printed by
RAQEEM PRESS
Islambad, Sheephatch Lane, Tilford,
Surrey GUIO 2AQ
U. K.

انتساب

محمد رسولؐ اللہ کے سلطان نصیر
مہدی موعود و مسیح موعود
حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوۃ والسلام کے
نام

فہرست عنوانات

دیباچہ

رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○

سورۃ انبیاء آیت ۱۱۳

لاہور کے ایک ایڈووکیٹ جناب نور محمد قریشی صاحب نے، ایک کتاب "نزول مسیح آخر کیوں" لکھی ہے اور خاکسار سے اس پر تبصرہ کرنے کی فرمائش کی ہے۔ میں اس لحاظ سے ان کا شکرگزار ہوں کہ وہ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں کہ ان کے اٹھائے ہوئے اعتراضات ونکات کا میں جواب دینے کا اہل ہوں ورنہ "من آنم کہ من دانم"

جب میں نے یہ تبصرہ لکھنا شروع کیا تو مجھے ہرگز یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ اتنی ضخامت اختیار کر جائے گا۔ میرے پیش نظر اولین مقصد جناب قریشی صاحب کے اعتراضات کا مختصر جواب دینا تھا لیکن اس کے بعد کچھ ایسے واقعات ہوئے جن کی بناء پر مجھے اپنے جوابات کو واضح کر کے پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جناب قریشی صاحب احمدیوں کو اپنا شکار سمجھتے ہیں اور اپنے دائرہ اثر میں آنے والے ہر احمدی پر حملہ کرنا فرض سمجھتے ہیں۔ چنانچہ محکمہ انکم ٹیکس میں کام کرنے اور انکم ٹیکس پریکٹس کرنے والے وکلاء حضرات میں سے اکثر کو انہوں نے اپنے اعتراضات کا نشانہ بنایا ہے۔ ان میں سے چند حضرات کو جب یہ علم ہوا کہ قریشی صاحب کی مجھ سے چند نشستوں پر مشتمل گفتگو ہوئی ہے اور قریشی صاحب مجھ سے کچھ متاثر بھی ہوئے ہیں تو انہوں نے یہ فرمائش کی کہ اس کتاب یعنی "نزول مسیح آخر کیوں" کا مفصل جواب آنا چاہیے۔ ان حضرات میں جناب مقصود احمد صاحب انسپکٹر انکم ٹیکس اور جناب طاہر یزدانی صاحب وکیل انکم ٹیکس نمایاں ہیں۔ ان احباب میں میری شہرت کے تمام تر

ذمہ دار خود قریشی صاحب ہیں جو ان سے میرا تذکرہ کرتے رہے اور میرے جواب کے بارے میں ان سے باتیں کرتے رہے۔ چنانچہ میں نے مناسب جانا کہ میرا جواب اتنا مفصل اور واضح ہونا چاہیے کہ محکمہ انکم ٹیکس سے تعلق رکھنے والے افراد خصوصاً اور دیگر احمدی احباب عموماً ان اعتراضات کے جوابات سے کماحقہ' واقف ہو جائیں اور مناسب طور پر ان کا رد کر سکیں۔

میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں ہرگز ہرگز کوئی عالم دین نہیں ہوں بلکہ نہایت ادنیٰ خادم دین ہوں۔ جو کچھ میں نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس کتاب میں لکھا ہے وہ جماعت کے پہلے سے موجود لٹریچر سے ہی اخذ کر کے لکھا ہے۔ اس مسودہ کو مکمل کرنے کے بعد میں نے جناب مولانا سلطان محمود انور صاحب ناظر اصلاح و ارشاد کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کیا جنہوں نے کتاب کے بیشتر مسودہ سے اتفاق کرتے ہوئے چند مقامات پر اصلاح کی نشاندہی کر دی۔ چنانچہ اب اصلاح شدہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

میں نے اس کتاب کا نام "سلطان نصیر" رکھا ہے کیونکہ اس کتاب کا بنیادی مقصد دین حق اور احمدیت کا دفاع کرنا ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں میں اپنے عزیز دوستوں جناب فہیم احمد ناگی' جناب عرفان الحق صاحب اور جناب تنویر احمد میر کا خاص طور پر شکرگزار ہوں جنہوں نے ہر لمحہ میری حوصلہ افزائی کی اور بیش قیمت مشوروں سے مجھے نوازا۔

انصر رضا

باعث تحریر آنکہ

زیر عنوان "باعث تحریر آنکہ" جناب قریشی صاحب نے اس کتاب کی وجہ ء تالیف بیان کی ہے اور وہ ہے ان کا ایک احمدی دوست کو جواب جن کے ساتھ ایک عرصہ تک احمدیت کے موضوع پر ان کی گفتگو ہوتی رہی ہے۔ جناب قریشی صاحب کا یہ کہنا حیرت انگیز ہے کہ دوران تحقیق ان کو حیات / وفات مسیحؑ کے متعلق کسی عالم دین کی کوئی کتاب نہیں ملی اور خداخدا کر کے ایک ملی بھی تو وہ بھی ایک ایسے صاحب کی جو سرے سے نزول مسیحؑ کے ہی منکر ہیں اور وفات مسیحؑ کے قائل ہیں۔ مزید حیرت یہ ہے کہ اس کتاب کے مندرجات کی تائید کرنے والے اور اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے والے ایک عالم دین جناب محمد قاسم قاسمی صاحب نے بھی جناب قریشی صاحب کو اس غلطی کی طرف توجہ نہیں ولائی اور گویا اس طرح ان کے اس عقیدے کی تائید فرمائی ہے کہ علماء دین میں سے کسی نے آج تک حیات و وفات مسیحؑ کے موضوع پر آج تک قلم نہیں اٹھایا اور اگر کوئی کام کیا بھی گیا ہے تو وہ اس قابل ہی نہیں کہ مزید تحقیق کے لئے اسے بنیاد بنایا جائے گویا

ایں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ

کتاب کے اصل مضمون پر تبصرہ سے پیشتر میں مجیب الرحمان شامی صاحب کے دیباچہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اپنے اس دیباچہ میں جناب شامی صاحب نے یہودیوں کے بارے میں لکھا ہے

"ان کا خیال تھا کہ آنے والے کے ایک ہاتھ میں تلوار ہو گی، دوسرے میں بنی اسرائیل کا جھنڈا ہو گا۔ اس کے پیچھے لشکروں کے

لشکر ہونگے' وہ ہر طرف چھا جائے گا اور بنی اسرائیل کو "سپرپاور" بنا ڈالے گا' ان کا کھویا ہوا وقار بحال ہو گا اور تمکنت پھر ان کے گھر کی لونڈی بن جائے گی۔ یہودی ابھی تک اس "مسیح" کی آمد کے منتظر ہیں اور انہیں امید ہے کہ اس کے ہاتھوں ان کی ایسی ایمپائر قائم ہو گی جس کا ڈنکا دور و نزدیک بجے گا"

علماء کی نزول مسیحؑ اور مہدی اور علامات قرب قیامت کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں آپ کو بعینہ یہی عقیدہ انہی الفاظ میں درج ملے گا۔ دراصل جب کوئی قوم دنیاداری کا شکار ہو جاتی ہے اور دین کو ثانوی حیثیت دینے لگتی ہے تو اس کے افراد میں دین کی سربلندی کی خاطر کام کرنے کا جذبہ ماند پڑ جاتا ہے اور وہ اپنی ترقی کے لئے ایک ایسے وجود کے منتظر ہو جاتے ہیں جو آکر "جادو کی چھڑی" ہلا کر ان کی تمام مشکلات اور مصائب کو دور کر دے اور انہیں تمام دنیا پر غلبہ و اقتدار حاصل ہو جائے لیکن اس عظیم الشان مقام کو حاصل کرنے کے لئے انہیں کوئی جدوجہد اور قربانی نہ کرنی پڑے۔ فراعنہ مصر کی غلامی میں ایک لمبا عرصہ گذارنے کے بعد جب حضرت موسیٰؑ یہودیوں کے نجات دہندہ کے طور پر ابھرے تو پہلے تو بنی اسرائیل نے ان کے ساتھ جانے سے ہی انکار کر دیا اور جب چل ہی پڑے تو ذرا سی تکالیف آنے پر حضرت موسیٰؑ کو برا بھلا کہنے لگے کہ ہم اچھے بھلے مصر میں ہانڈیوں میں گوشت بھون بھون کر کھایا کرتے تھے یہ تم ہمیں کہاں اٹھا لائے ہو۔ اسی طرح جب خدا تعالیٰ نے انہیں ارض موعود بخشی اور کہا کہ یہاں سے ظالموں کو نکال کر اسے حاصل کر لو تو انہوں نے کہا کہ جاؤ موسیٰ تم اور تمہارا رب لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔

اہل اسلام نے بھی جب دین کو پس پشت ڈال دیا اور تمام تر توجہ دنیا پر مرکوز کر کے دین کو ملا کے حوالے کر دیا تو ان میں بھی ایسے عقائد رواج پا گئے کہ ان کا نجات دہندہ مہدی اور مسیح آئے گا اور تمام کافروں کو مار کر مسلمانوں کی حکومت دنیا پر قائم کر دے گا۔ علماء صحابہؓ رسول ﷺ کا وہ عظیم الشان قول بھول گئے کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم موسیٰ کی قوم کی طرح نہیں ہیں کہ آپ ﷺ سے کہیں کہ جاؤ تم اور تمہارا رب لڑو۔ بلکہ ہم آپ ﷺ کے آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی اور آپ ﷺ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی اور دشمن آپ ﷺ تک نہیں پہنچ سکے گا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گذرے۔

آج زبان حال سے تمام مسلمان' کیا عالم اور کیا غیر عالم' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو

یہی کہہ رہے ہیں کہ جاؤ تم لڑو اور پوری دنیا فتح کر کے ہمارے قدموں میں ڈال دو۔ مسلمان بھی یہود کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک ایسے لیڈر کی تلاش میں ہیں جو آتے ہی ان کو قعر مذلت سے نکال کر بام عروج تک پہنچادے اس مسیحؑ کے منتظر ہیں جس کی آمد محیر العقول' جس کے کارنامے مافوق الفطرت اور جو محض اپنی سانس کے ذریعے دجال کو ہلاک کر ڈالے گا اور جس کی تلوار مشرق و مغرب میں تمام کفار کو کاٹتی جائے گی۔ مسلمانوں کو کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا اور چشم زدن میں تمام کفار کا خاتمہ ہو کر ساری دنیا ان کے زیر نگین ہو جائے گی۔

"ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا"

بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کے اس عقیدے سے مشابہ عقیدہ تمام مسلمان علماء کی کتابوں میں واضح طور پر درج ہے حتیٰ کہ مصنف کے ممدوح جناب اظہار احمد صاحب کے بھائی اور داعی تحریک خلافت جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بھی اسی خیال کے حامی اور مؤید ہیں اور اس کا اظہار اپنی تحریروں اور تقریروں میں اکثر کرتے رہتے ہیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک حدیث کے مطابق آخری زمانہ میں مسلمان پہلی امتوں سے اس طرح مشابہ ہوں گے جس طرح ہاتھ ہاتھ سے اور قدم قدم سے مشابہ ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا تھا تو یہ بھی ضرور داخل ہوں گے۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ زنا کیا ہے تو یہ بھی کریں گے۔ منجملہ دیگر عقائد اور اعمال کے' یہود کے مشابہ یہ عقیدہ بنا کر ظاہر پرست مسلمانوں نے حضرت رسول کریم ﷺ کی مندرجہ بالا حدیث پوری کردی ہے۔ جس طرح حضرت مسیحؑ کے مخاطب بنی اسرائیل نے انہیں ماننے سے اس لئے انکار کر دیا کہ حضرت مسیحؑ خدائی بادشاہت کی نوید سناتے تھے جبکہ بنی اسرائیل حضرت داودؑ کی پیشگوئیوں کو ظاہر رنگ پر محمول کر کے دنیاوی بادشاہت کے خواب دیکھ رہے تھے اسی طرح مثیل بنی اسرائیل یعنی موجودہ مسلمانوں نے مثیل مسیحؑ یعنی حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی کو ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ ان کے ظاہری اور خود ساختہ معیاروں پر پورے نہیں اترتے تھے۔

یہاں ایک نکتہ اور واضح کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ تمام علماء جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں حضرت رسول کریم ﷺ کو مثیل موسیٰؑ قرار دیا گیا ہے اور موسیٰ علیہ السلام سے تیرہ سو سال

بعد امت موسوی یعنی بنی اسرائیل کے لئے حضرت عیسٰی ابن مریمؑ بطور مسیح مبعوث ہوئے تھے۔ تشبیہ تبھی مکمل بنتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ سو سال بعد بھی امت کے لئے کوئی مسیح مبعوث ہو خاص طور پر جب کہ امت میں موسوی امت کی طرح بہتر فرقے ہو چکے ہوں۔

اب میں ترتیب وار عنوانات کے تحت جو کچھ مصنف نے لکھا ہے' کے متعلق اظہار خیال کرتا ہوں۔

مسئلہ کیا ہے

اس عنوان کے تحت مصنف نے نزول مسیحؑ کے متعلق عقیدہ رکھنے والے تین گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ اول الذکر گروہ وہ ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ آخری زمانہ میں حضرت مسیحؑ ناصری جو دو ہزار سال پیشتر زندہ آسمان پر چلے گئے تھے' اپنے اسی جسم کے ساتھ نازل ہوں گے۔ اس گروہ کے عقیدے کے ثبوت میں مصنف نے چند احادیث درج کی ہیں۔

دوسرا گروہ جس کا مصنف نے ذکر کیا ہے سرے سے نزول مسیحؑ کا منکر ہے۔ اس بارے میں مصنف نے یہ وضاحت نہیں کی کہ جب یہ گروہ سرے سے نزول مسیحؑ کا ہی منکر ہے تو پھر رفع مسیحؑ یا دوسرے لفظوں میں حیات و وفات مسیحؑ کے متعلق اس گروہ کا کیا عقیدہ ہے۔ کیا یہ گروہ انہیں زندہ آسمان پر مانتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ ہمیشہ اسی مادی جسم اور تمام بشری لوازمات کے ساتھ آسمان پر رہیں گے اور انہیں لباس ارضی سے نجات حاصل ہو کر وہ نورانی جسم کبھی عطا نہیں ہو گا جس کا وعدہ تمام مومنین اور خصوصاً انبیاء سے کیا گیا ہے۔

مصنف نے تو ان تمام باتوں کی وضاحت نہیں کی اور نہ ہی ذہن میں پیدا ہوانے والے ان طبعی سوالات کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے لیکن خاکسار پہچان گیا ہے کہ یہ کونسا گروہ ہے۔

بہ ہر رنگی کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت رامی شناسم

دراصل منکرین نزول مسیحؑ" جن کو آگے چل کر مصنف نے احادیث کا انکار کرنے کے

باوجود مسلمان تسلیم کیا ہے، کے نزدیک حضرت مسیحؑ فوت ہو چکے ہیں۔ کب اور کہاں یہ وہ نہیں جانتے لیکن اتنا وہ تسلیم کرتے ہیں کہ دیگر انبیاء کی طرح حضرت مسیحؑ بھی فوت ہو چکے ہیں اور قرآن مجید ان کی وفات کا واضح اعلان کرتا ہے۔ یہ گروہ دراصل اہل قرآن گروہ ہے جو چکڑالوی اور پرویزی بھی کہلاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مصنف اور ان کے تائید کنندہ جناب قاسم قاسمی صاحب کے نزدیک وفات مسیحؑ کا عقیدہ رکھنے والا شخص مسلمان ہے۔ مصنف نے اپنے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ اگر تاج محمود صاحب زندہ ہوتے تو اس کتاب کا پیش لفظ وہ لکھتے۔ اب ان کی وفات کے بعد پیش لفظ لکھنے کی درخواست جناب محمد قاسم قاسمی ناظم دارالعلوم قاسمیہ فقیر والی سے کی گئی ہے اور انہوں نے اسے قبول بھی فرمایا ہے' گویا مصنف کے نزدیک تاج محمود صاحب جو تحریک ختم نبوت کے سرکردہ رہنما تھے کی جانشینی کا حق اگر کوئی ادا کر سکتا ہے تو وہ جناب قاسم قاسمی صاحب ہیں۔ جنہوں نے مصنف کی کتاب کو سند قبولیت عطا کرتے ہوئے گویا اس عقیدہ پر بھی صاد فرما دیا ہے کہ وفات مسیحؑ کا قائل شخص مسلمان ہے۔

مصنف نے ان دونوں گروہوں کے تقابل کے دوران پہلے گروہ کے دعوے کے دلائل کے طور پر صرف احادیث درج کی ہیں اور قرآن مجید کی کسی آیت کو بطور ثبوت پیش نہیں کیا اور اس طرح گویا یہ ظاہر کیا ہے کہ قرآن مجید سے نزول مسیحؑ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا' جبکہ منکرین نزول مسیحؑ کے اس عقیدہ کی تائید میں کہ دین اسلام مکمل ہو چکا ہے اور اس آخری اور اتم شریعت کی موجودگی میں کسی نبی کی آمد کی ضرورت نہیں' قرآن مجید کی مختلف آیات نقل کی ہیں اور اس طرح بالواسطہ طور پر منکرین نزول مسیحؑ جو درحقیقت منکرین حدیث ہیں' کا کیس "نسبتاً" مضبوط طریقے سے پیش کیا گیا ہے اور آخر میں نزول مسیحؑ کی احادیث کو کمزور ظاہر کر کے آمد مسیحؑ کے عقیدے پر مزید ضرب لگائی گئی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خود مصنف بھی نزول مسیحؑ کا منکر ہے یا کم از کم عامتہ المسلمین کے عقیدۂ آمد مسیحؑ سے اتفاق نہیں کرتا۔ حالانکہ تمام اہل علم اور خود مصنف کے ممدوح جناب اظہار احمد صاحب اور ان کے بھائی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے نزدیک نزول مسیحؑ کے متعلق تمام احادیث متفق علیہ اور صحیح ہیں۔

تیسرا گروہ

مندرجہ بالا دونوں گروہوں کے عقائد پر بحث کے بعد مصنف تیسرے گروہ کے عقائد کو

زیر بحث لائے ہیں۔ یہ تیسرا گروہ حضرت مسیح کی بجسدہ آمد کا عقیدہ نہیں رکھتا بلکہ اس کا خیال ہے کہ حضرت مسیحؑ فوت ہو چکے ہیں اور احادیث میں جس مسیحؑ کی آمد کا ذکر ہے اس سے مراد مثیل مسیحؑ ہے جو امت میں ہی پیدا ہونے والا ایک فرد ہو گا۔ مصنف کے نزدیک یہ عقیدہ احمدیوں کے علاوہ بہائیوں کا بھی ہے۔

مصنف نے اس عقیدے میں شریک دونوں فریقوں یعنی احمدیوں اور بہائیوں میں سے احمدیوں پر تنقید کو اولیت دی ہے کیونکہ مصنف کے نزدیک بانی جماعت احمدیہ نے مختلف اوقات میں مختلف موقف اختیار کئے جبکہ بہاء اللہ کا دعویٰ اول تا آخر مسیح موعود ہونے کا تھا جس کا ثبوت ایک بہائی مصنف ابوالفضل گلپایگانی کی کتاب "الفرائد" سے مصنف نے دیا ہے۔

بانی جماعت احمدیہ کے دعوے کے نام نہاد تضادات بیان کرنے سے پہلے مصنف نے ان کے الہام کی بنیاد پر حملہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ بانی جماعت احمدیہ کے الہام "اَلرَّحْمٰنُ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ○" کو پیش کر کے مصنف نے یہ مفروضہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس الہام کے بعد بانی جماعت احمدیہ نے قرآن مجید کی کسی آیت کا جو بھی ترجمہ کیا یا اس کی جو بھی تشریح کی وہ الہامی تھی اور خدا کی سکھائی ہوئی تھی۔

اس الہام سے، جو دراصل سورہ رحمٰن کی پہلی اور دوسری آیت ہے، یہ غلط استنباط کرتے ہوئے مصنف ان آیات سے اگلی دو آیات بھول گئے جن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے 'خَلَقَ الْاِنْسَانَ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ○" یعنی ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بیان سکھایا۔ اب اگر مصنف کا وضع کردہ اصول ان آیات پر بھی چسپاں کیا جائے تو ان آیات کا مطلب یہ نکلے گا کہ انسان جو کچھ بھی بولتا ہے وہ تمام کا تمام الہامی ہوتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تکلم کی طاقت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے جسے انسان اپنی مرضی سے استعمال کرتا ہے اور اس کے تمام کلام میں صرف وہی حصہ الہامی قرار پاتا ہے جب اللہ تعالیٰ اپنا کلام انسان کی زبان پر جاری کر دیتا ہے۔ اس کی عظیم ترین مثال حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات اقدس میں ہمیں ملتی ہے جن کے متعلق قرآن مجید میں یہ ارشاد ہوا "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى" یعنی یہ رسول ﷺ اپنے ارادہ نفس اور اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہی بات کہتا ہے جو اس پر بذریعہ وحی نازل کی جاتی ہے۔ کسی بھی مفسر قرآن، علماء سلف اور بزرگان دین بشمول صحابہ کرامؓ نے اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا

کہ رسول کریم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ وحی الٰہی ہے۔ اس کے برعکس تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے اس آیت کریمہ کا صرف یہ مطلب ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ کے تمام اقوال و افعال اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ارادہ کے تابع ہو گئے تھے اور خلاف شریعت کسی کلمہ یا حرکت کا آپؐ کی ذات سے صدور ہونے کے بارے میں خیال کرنا بھی گناہ ہے جبکہ وحی الٰہی صرف قرآن مجید میں مذکور ہے۔

الہام کے بارے میں ایک اصول یہ ہے کہ اس کی صرف وہی تشریح و تعبیر قابل قبول ہو گی جو صاحب الہام خود کرے گا۔ بانی جماعت احمدیہ کی ساری تصانیف میں کہیں آپ کو یہ دعویٰ نظر نہیں آئے گا کہ میری تصانیف ساری کی ساری الہامی ہیں۔ الہام صرف وہی ہے جو آپ کی مختلف تصانیف میں جابجا مذکور ہیں اور جن کو جمع کر کے تذکرہ کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے۔

الہام "اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ○" کے اس غلط استنباط کے بعد مصنف نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بانی جماعت احمدیہ کا ابتدائی عقیدہ کہ حضرت مسیحؑ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور اصالتاً تشریف لائیں گے' الہام الٰہی کی بنیاد پر تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب توجیہہ ہے جس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں: ایک تو یہ کہ مصنف اس بات کا قائل ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ پر اللہ تعالیٰ الہام نازل فرمایا کرتا تھا اور دوسرا یہ کہ مصنف بانی سلسلہ احمدیہ کے حالات زندگی اور جماعت احمدیہ کے لٹریچر سے افسوسناک حد تک ناواقف اور نابلد ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں فرمایا کہ حیات مسیحؑ کے متعلق میرا دعویٰ الہام پر مبنی ہے بلکہ جب آپ کو مختلف الہامات میں مسیح کہہ کر پکارا جاتا تھا تو آپ اپنے تئیں مثیل مسیحؑ قرار دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اصلی مسیحؑ زندہ آسمان پر بیٹھا ہے اور اپنے وقت پر نازل ہو گا یہ وہی واردات ہے جو اس سے پہلے امت کے دوسرے جلیل القدر بزرگوں پر گذر چکی ہے۔ چنانچہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری" کا مشہور شعر ہے

دمبدم روح القدس اندر معینے می دمد
من نمی گویم مگر من عیسیٰ ثانی شدم

یعنی روح القدس دم بدم معین کے اندر گھستا جا رہا ہے۔ میں کہتا تو نہیں مگر میں عیسیٰ ثانی ہو گیا ہوں۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا یہ عقیدہ کسی الہام کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ مروجہ عقائد کے مطابق تھا۔ بعد میں جب واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات مسیحؑ کی خبر دے

دی اور آپ نے اس الہام کو قرآن شریف کے معیار پر پرکھ کر اسے قرآن مجید کے موافق پایا تو قبول کر لیا اور اپنے اس تبدیل شدہ عقیدہ کا برملا اظہار کر دیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

اگرچہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور یہ بھی مجھے فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسول نے دی تھی۔ مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اس اعتقاد پر جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر سے نازل ہوں گے اس لیے میں نے خدا کی وحی کو ظاہر پر حمل کرنا نہ چاہا بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اپنا اعتقاد وہی رکھا جو تمام مسلمانوں کا تھا اور اسی کو براہین احمدیہ میں شائع کیا۔ لیکن بعد اس کے اس بارہ میں بارش کی طرح وحی الٰہی نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا تھا تو ہی ہے اور ساتھ اس کے صدہانشان ظہور میں آئے اور زمین و آسمان دونوں میری تصدیق کے لئے کھڑے ہو گئے اور خدا کے چمکتے ہوئے نشان میرے پر جبر کر کے مجھے اس طرف لے آئے کہ آخری زمانہ میں مسیح آنے والا میں ہی ہوں۔ ورنہ میرا اعتقاد تو وہی تھا جو میں نے براہین احمدیہ میں لکھ دیا تھا۔ اور پھر میں نے اس پر کفایت نہ کر کے اس وحی کو قرآن شریف پر عرض کیا تو آیات قطعیۃ الدلالت سے ثابت ہوا کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے اور آخری خلیفہ مسیح موعود کے نام پر اسی امت میں سے آئے گا اور جیسا کہ جب دن چڑھ جاتا ہے تو کوئی تاریکی باقی نہیں رہتی اسی طرح صدہا نشانوں اور آسمانی شہادتوں اور قرآن شریف کی قطعیۃ الدلالت آیات اور نصوص صریحہ حدیثیہ نے مجھے اس بات کے لیے مجبور کر دیا کہ میں اپنے تئیں مسیح موعود مان لوں۔ میرے لئے یہ کافی تھا کہ وہ میرے پر خوش ہو۔ مجھے اس بات کی ہرگز تمنا نہ تھی۔ میں پوشیدگی کے حجرے میں تھا کوئی مجھے نہیں جانتا تھا اور نہ مجھے یہ خواہش تھی کہ کوئی مجھے شناخت کرے۔ اس نے گوشۂ تنہائی سے مجھے جبراً نکالا۔ میں نے چاہا کہ میں پوشیدہ رہوں اور پوشیدہ مروں۔ مگر اس نے کہا کہ میں تجھے تمام دنیا میں عزت کے ساتھ شہرت دوں گا۔ پس یہ اس خدا سے پوچھو کہ ایسا تو نے کیوں کیا؟ میرا اس میں کیا قصور ہے۔ اسی طرح اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدے پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا

خطاب مجھے دیا گیا مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔ ....
خلاصہ یہ کہ میری کلام میں کچھ تناقض نہیں۔ میں تو خدا تعالیٰ کی وحی کا پیروی کرنے والا ہوں۔ جب تک مجھے اس سے علم نہ ہوا میں وہی کہتا رہا جو اوائل میں میں نے کہا اور جب مجھ کو اس کی طرف سے علم ہوا تو میں نے اس کے مخالف کہا۔ میں انسان ہوں مجھے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ نہیں۔ بات یہی ہے جو شخص چاہے قبول کرے یا نہ کرے۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۹۔۱۵۰)

مندرجہ بالا عبارت سے یہ واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مسیح ابن مریمؑ کو آسمان پر زندہ ماننا اور اپنے آپ کو محض ایک مجدد کے طور پر ظاہر کرنا الہامی طور پر نہیں تھا بلکہ آپ اپنے ان الہامات کی جن میں آپ کو صریح طور پر مسیح کہہ کر پکارا جاتا تھا' مروجہ عقائد کے مطابق تاویل کرتے ہوئے یہ ظاہر کرتے تھے کہ عیسیٰ ابن مریم اپنے وقت پر نازل ہو گا اور میں صرف ایک مجدد اور مثیل مسیح ہوں۔ بعد کے الہامات نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ اپنے مقام کے بارے میں اس قدر احتیاط سے کام لینا ایک سچے شخص کا ہی کام ہے جو اعلیٰ مقامات اور عہدوں سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ ان کے ساتھ وابستہ بڑی بڑی ذمہ داریوں کو اختیار کرنے سے خوف کھاتا ہے جبکہ ایک جھوٹا اور شیخی خورا شخص ان ذمہ داریوں سے صرف نظر کرتے ہوئے فوراً اعلیٰ مقامات کی طرف لپکتا ہے۔ رسول کریمؐ بھی جب منصب رسالت پر فائز کئے گئے تو آپؐ بجائے خوش ہونے کے خوف میں مبتلا ہو گئے تھے۔

ابتداء میں رسول کریم ﷺ نے اپنی دعوت کو صرف اہل مکہ تک محدود رکھا اور اپنے زمانہ نبوت کو بھی قیامت تک ممتد قرار نہیں دیا بلکہ دیگر انبیاء پر اپنی فضیلت سے بھی انکار کیا اور فرمایا کہ مجھے یونس ابن متی اور موسیٰ پر فضیلت مت دیا کرو۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو آپؐ کے مقام خاتم النبین سے آگاہ فرمایا تو آپؐ نے یہ اعلان فرمایا دیا کہ "انا سید ولد آدم" اور یہ کہ میں اس وقت بھی خاتم النبین تھا جب آدم اپنی مٹی میں گندھا ہوا پڑا تھا۔ اب کیا مصنف رسول کریمؐ پر بھی تدریجی نبوت کا الزام عائد کرے گا۔

مصنف نے بانی سلسلہ احمدیہ پر تدریجی اور ارتقائی نبوت کا الزام لگاتے ہوئے ان کا تقابل ایسے خوانچہ فروش اور تحصیلدار سے کیا ہے جو ترقی کرتے کرتے کسی کارخانہ کا مالک یا ملک کا صدر بن جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ظاہر کی ہے کہ "اس لئے مرزا صاحب نے اپنی ہر

بات کی خود ہی تردید کی ہوئی ہے" مصنف کو خود غور کرنا چاہیے کہ کسی خوانچہ فروش یہ تحصیلدار کا ترقی کرتے کرتے اعلیٰ ترین منصب حاصل کر لینا باعث تحسین ہے یا لائق مذمت اور کیا انہیں یہ مقام اپنی باتوں کی تردیدیں کرکر کے ہی حاصل ہوتا ہے۔ مصنف کو غالباً اس بات کا بھی علم نہیں کہ وحی الٰہی کے ماتحت قبلہ کی تبدیلی، جس نے دین اسلام پر گہرے اثرات مرتب کئے اور اسلام یہودیت اور عیسائیت کے ضمیمہ کی بجائے اپنی علیحدہ اور امتیازی شان میں جلوہ گر ہوا، مسیحی اور یہودی علماء اسی طرح کے بلکہ اس سے بھی شدید ترین الزامات رسول کریمؐ پر عائد کرتے ہیں جس طرح کے الزامات غیر احمدی علماء بانی سلسلہ احمدیہ پر لگاتے ہیں۔

بانی سلسلہ احمدیہ کے موقف کی تبدیلی کے سلسلے میں مصنف نے تبدیلی موقف کی مثال کے طور پر ایک حوالہ دیا ہے اور یہ حوالہ بھی "**لا تقربوا الصلوٰة**" کی نوع کا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے

> "وقت گذرنے کے بعد مرزا صاحب نے اپنے موقف میں تبدیلی پیدا کی اور عیسائیوں کے ہمنوا اس حد تک ہو گئے کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے ہیں۔ اس مسئلہ پر اپنے موقف میں تبدیلی کا پہلی دفعہ اظہار مرزا صاحب نے اپنی کتاب "ازالہ اوہام" کے صفحہ نمبر ۱۷۷ پر درج ذیل الفاظ میں کیا ہے
>
> "یہ تو سچ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہو گیا لیکن یہ ہرگز سچ نہیں کہ وہی جسم جو دفن ہو چکا تھا پھر زندہ ہو گیا"

مصنف کے نزدیک یہ مرزا صاحب کے موقف میں دوسری تبدیلی ہے اور مسیحؑ کا کشمیر میں فوت ہونا اور سری نگر میں دفن ہونا تیسری تبدیلی ہے جبکہ بقول مصنف مرزا صاحب کا پہلا موقف یہ تھا کہ حضرت مسیحؑ آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں۔ پہلے اور تیسرے موقف کے متعلق میں پہلے عرض کر چکا ہوں جبکہ بقول مصنف دوسرے موقف یعنی مسیح کے گلیل میں فوت ہونے کے بارے میں عرض کرتا ہوں کہ مخالفین احمدیت کی یہ پرانی عادت ہے اور اب قریشی صاحب بھی اس میں شامل ہو گئے ہیں کہ کسی جگہ سے ایک فقرہ یا ایک ٹکڑا اٹھایا اور بغیر سیاق و سباق کے حوالے کے اسے پیش کر کے اعتراض کا نشانہ بنایا۔ دراصل بانی جماعت

احمدیہ نے ازالہ اوہام میں "عیسائی اخبار نور افشاں مطبوعہ ۲۳ اپریل کا اعتراض" کے عنوان سے ایک مضمون تحریر فرمایا ہے جس کے ایک حصہ کو "**لا تقربوا الصلٰوۃ**" کہنے والے کی طرح قریشی صاحب نے پیش کیا ہے۔ حضور نے نور افشاں کی دلیل یعنی کتاب اعمال کی چند آیات نقول کر کے صاف لکھا ہے کہ

"اب پادری صاحبان صرف اس عبارت پر خوش ہو کر سمجھے بیٹھے ہیں کہ درحقیقت اس جسم خاکی کے ساتھ مسیحؑ اپنے مرنے کے بعد آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔ لیکن انہیں معلوم ہے کہ یہ بیان لوقا کا ہے جس نے نہ مسیحؑ کو دیکھا اور نہ اس کے شاگردوں سے کچھ سنا۔ پھر ایسے شخص کا بیان کیونکر قابل اعتبار ہو سکتا ہے۔ جو شہادت رویت نہیں اور نہ کسی دیکھنے والے کے نام کا اس میں حوالہ ہے۔ ماسوا اس کے یہ بیان سراسر غلط فہمی سے بھرا ہوا ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ مسیحؑ اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہو گیا لیکن یہ ہرگز سچ نہیں کہ وہی جسم جو دفن ہو چکا تھا پھر زندہ ہو گیا۔ بلکہ اسی باب کی تیسری آیت ظاہر کر رہی ہے کہ بعد فوت ہو جانے کے کشفی طور پر مسیحؑ چالیس دن تک اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا۔ اس جگہ کوئی یہ نہ سمجھ لیوے کہ مسیحؑ بوجہ مصلوب ہونے کے فوت ہوا کیونکہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے صلیب سے مسیحؑ کی جان بچائی تھی۔ بلکہ یہ تیسری آیت باب اول اعمال کی مسیح کی طبعی موت کی گواہی دے رہی ہے جو گلیل میں اس کو پیش آئی۔ اس موت کے بعد مسیحؑ چالیس دن تک کشفی طور پر اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا........ اور یاد رہے کہ یہ تاویلات اس حالت میں ہیں کہ ہم ان عبارتوں کو صحیح اور غیر محرف قبول کر لیں۔ لیکن اسے قبول کرنے میں بڑی دقتیں ہیں"۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے بانی جماعت احمدیہ نے عیسائیوں کے اس دعوے کو کہ مسیحؑ کو آسمان پر جاتے ہوئے گیارہ شاگردوں نے بچشم خود دیکھا' باطل ثابت کرتے ہوئے اور اس دعوے کی دلیل کے طور پر پیش کی گئی رسولوں کے اعمال باب اول کی تیسری آیت کا تجزیہ کرتے ہوئے مندرجہ بالا مضمون تحریر فرمایا تھا۔ حضور نے رسولوں کے اعمال باب اول کی

تیسری آیت کی ہر ممکن تاویل پیش کی اور یہ ثابت فرمایا کہ کسی بھی پہلو سے اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسیح مرنے کے بعد زندہ ہو گیا تھا اور یہ تمام تاویلیں بھی اسی صورت میں ممکن ہیں جب ہم اناجیل اربعہ کی عبارات کو صحیح اور غیر محرف قبول کر لیں کیونکہ خود اناجیل میں انسانی دست برد کا ہونا عیسائی محققین کو بھی لازم ہے۔ لہذا صاف ظاہر ہے کہ مسیح" کا گلیل میں فوت ہونا ایک امکانی نظریہ اور انجیل کی آیات کی رو سے عیسائیوں کو الزامی طور پر جواب دینے کے لئے لکھا گیا ہے۔

اس بات کا دوسرا جواب جو علماء سلسلہ احمدیہ کی طرف سے دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ظاہری طور پر بھی اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ کا واقعی یہ عقیدہ تھا کہ مسیح گلیل میں فوت ہو گیا تھا تو بعد کی تحقیق نے انہیں اس خیال سے پھیر دیا۔ چنانچہ بانی جماعت احمدیہ نے اپنی کتاب ست بچن صفحہ ۱۶۴ کے حاشیہ میں لکھا ہے۔

"ہاں ہم نے کسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیح کی بلاد شام میں قبر ہے مگر اب صحیح تحقیق ہمیں اس بات کے لکھنے کے لئے مجبور کرتی ہے کہ واقعی قبر یہی ہے جو کشمیر میں ہے"

چونکہ بانی جماعت احمدیہ کی پہلی بات 'کہ مسیح گلیل میں فوت ہوا' کی بنیاد الہام پر نہیں تھی اور نہ ہی انہوں نے کبھی اس بات کا دعویٰ فرمایا تھا لہذا اس میں تبدیلی سنت انبیاء کے عین مطابق ہے۔ خود رسول کریم ﷺ اپنے بعض اقوال مبارکہ کو بعض اوقات اپنی مرضی سے اور بعض اوقات صحابہ کرامؓ کے مشورے سے تبدیل فرما لیا کرتے تھے۔

اس کی ایک مثال تو وہ مشہور و معروف واقعہ ہے جس کے مطابق آنحضرتؐ کھجوروں کے باغ کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ لوگ نر اور مادہ درختوں کا پیوند لگا رہے ہیں۔ آپؐ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ اس کے نتیجے میں اس سال فصل کم ہوئی۔ جب صحابہ کرامؓ نے آپؐ کو اس بات سے مطلع کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم اپنی دنیا کے امور زیادہ بہتر جانتے ہو۔ دوسری مثال غزوہ احد کی ہے جب رسول کریمؐ نے اپنی مرضی کے خلاف صحابہ کرامؓ کے مشورے کے مطابق مدینہ سے باہر جا کر جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔

بہاء اللہ کا دعویٰ

احمدیوں کے عقیدہ در نزول مسیح" اور اس کی نام نہاد تدریجی تاریخ بیان کرنے کے بعد

مصنف بہاء اللہ کا ذکر کرتا ہے اور اس کا دعویٰ اس کی اپنی تحریرات کی بجائے "الفرائد" نامی کتاب جو ایک بہائی عالم ابوالفضل گلپائیگانی نے لکھی ہے کہ پہلے باب کے ایک اقتباس سے پیش کیا ہے۔ اس باب کا نام ہے "اہل بہا کا دعویٰ اور اس کے دلائل"۔جناب نور محمد قریشی صاحب اہل بہاء کا یہ عقیدہ کہ بہاء اللہ مسیح اور مہدی تھا پیش کرنے کے بعد مطمئن ہو گئے ہیں اور اس دعوے کے مالہ و ماعلیہ پر کوئی تنقیدی نگاہ نہیں ڈالی کیونکہ ان کی کتاب کا اصل مقصد احمدیوں کی مخالفت ہے۔

اس موقع پر میں ضروری سمجھتا ہوں کہ بہاء اللہ کا دعویٰ قارئین کے سامنے پیش کروں کہ اصل میں بہاء اللہ کا دعویٰ کیا ہے اور محض بانی سلسلہ احمدیہ کے اس دعوے کو غلط ثابت کرنے کے لئے کہ "اس زمانہ میں بجز اس عاجز کے کسی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا" مصنف نے تلبیس اور دجل سے کام لیتے ہوئے بہاء اللہ کے دعویٰ کو غلط رنگ میں پیش کیا۔

۱۔ کتاب الفرائد میں جس سے مصنف نے بطور استدلال بہاء اللہ کا دعویٰ مسیح موعود پیش کیا ہے۔ لکھا ہے

"شیخ (عبدالسلام) کا یہ خیال کہ باب اور بہاء نے دعویٰ نبوت کیا ہے سراسر وہم و گمان ہے۔ ہر شخص جو بہائیوں سے واقف ہے یا ان کی کتابوں پر اطلاع رکھتا ہے خوب جانتا ہے کہ نہ الواح میں دعویٰ نبوت پایا جاتا ہے اور نہ اہل بہا نے کبھی باب یا بہاء اللہ کے لئے لفظ نبی کا استعمال کیا ہے۔"

۲۔ خود بہاء اللہ کا عقیدہ نبوت کے بارے میں یہ ہے کہ نبوت آنحضرتؐ پر ختم ہو چکی ہے اور وہ آپؐ کو انہی معنوں میں خاتم النبیین مانتا ہے جن معنوں میں غیر احمدی مانتے ہیں۔

"آنحضرتؐ خاتم النبیین ہیں۔ آپؐ پر وحی کا خاتمہ ہو چکا ہے"۔

(الواح مبارکہ صفحہ ۴۰۵)

۳۔ بہائیوں کے رسالہ کوکب ہند میں لکھا ہے

"نہ تو آیہ مبارکہ میں نبی کا لفظ ہے نہ فرقان کے موعود کو نبی کہا گیا۔ نہ اہل بہاء حضرت بہاء اللہ جل ذکرہ الاعظم کو نبی مانتے ہیں اور

کوکب ہند میں بارہا اس کا اعلان کیا جا چکا ہے۔"

(کوکب ہند دہلی جلد ۶ صفحہ ۴۔ ۱۷ مئی ۱۹۲۸ء)

"اہل بہا دور نبوت کو ختم جانتے ہیں۔ امت محمدیہؐ میں بھی نبوت جاری نہیں سمجھتے۔ ہاں خدا کی قدرت کو ختم نہیں جانتے۔ اس لئے خدا کی قدرت کے نئے ظہور کو تسلیم کرتے ہیں جو نبوت سے آگے ایک نئی شان رکھتا ہے اور یہ دور نبوت کے ختم ہونے کا کھلا اعلان ہے۔ اس لئے اہل بہاء نے کبھی نہیں کہا کہ نبوت ختم نہیں ہوئی اور موعود کل ادیان نبی یا رسول ہے بلکہ اس کا ظہور مستقل خدائی ظہور ہے"۔

(کوکب ہند جلد ۶ صفحہ ۶ ۲۴ جون ۱۹۲۸ء)

۴۔ بہاء اللہ نے قید خانہ سے لکھا **"لا الہ الا انا المسجون الفرید"**

"ترجمہ: سوائے میرے جو تنہا قیدی ہوں اور کوئی خدا نہیں ہے۔

(مبین صفحہ ۲۸۶)

۵۔ بہاء اللہ نے اپنے ایک مرید کو لکھا کہ مجھے اس طرح مخاطب کیا کر "کہ سب تعریف تجھ کو ہے۔ اے کائنات کے پیدا کرنے والے کیونکہ تو نے مجھے قید خانہ میں یاد کیا جبکہ تو بدکاروں کے سامنے تھا"

(الواح صفحہ ۲۱۶)

۶۔ میٹریلس فار دی سٹڈی آف دی بابی ریلجن نامی کتاب کے مصنف پروفیسر براؤن نے اس فارم کی نقل اپنی کتاب میں شائع کی ہے جو مغربی ممالک میں بہائی بننے والے لڑکوں سے پر کروایا جاتا تھا۔ اس فارم کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"اے غصن اعظم (عبدا لبہاء) میں عاجزی سے اقرار کرتا ہوں خدائے قادر مطلق کے ایک ہونے کا جو میرا پیدا کرنے والا ہے۔ میں ایمان لاتا ہوں کہ وہ انسانی شکل میں ظاہر ہوا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اس نے اپنا ایک کنبہ قائم کیا اور پھر یقین رکھتا ہوں اس کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے پر اور ایمان لاتا ہوں اس بات پر کہ اس نے اپنی بادشاہت تجھ کو دیدی ہے اے غصن اعظم! جو اس کا سب سے

پیارا بیٹا اور راز ہے"

۷۔ بہاء اللہ نے اپنی کتاب اقدس میں اپنے ماننے والوں کو یہ دعا سکھائی ہے

"اے کائنات کے الہ، غیب و شہود کے مالک! میں تجھ سے تیری قید، تیری مظلومیت اور ان مصائب کا واسطہ دے کر، جو تجھ پر تیری مخلوق کی طرف سے وارد ہوئے یہ درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے ان انعامات سے محروم نہ کر جو تیرے پاس ہیں اور اس برکت سے نہ روک جس کے ذریعے تونے قبروں والوں کو زندہ کر دیا۔ تو ہی ظہور کا مالک اور آج یوم النشور میں عرش پر تشریف فرما ہے۔ کوئی خدا نہیں بجز تیرے۔ تو علیم و حکیم ہے"

(مجموعہ اقدس صفحہ ۱۰۱)

جناب نور محمد قریشی صاحب اپنے اس دعوے میں تنہا نہیں ہیں کہ بہاء اللہ کا دعویٰ نبوت کا تھا۔ دیگر مخالفین احمدیت بھی یہ دعویٰ کرتے رہے ہیں جن میں مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب بھی شامل ہیں جو ایک عرصہ تک اس خیال پر قائم اور اس کی پرزور نشرو اشاعت کرتے رہے۔ آخر ایک دن ان کو یہ لکھنا پڑا کہ

"ہم تو یہی سمجھتے تھے کہ کسی انسان کے لئے سب سے بڑا دعویٰ نبوت و رسالت ہے اس لئے ہم آج تک کہتے رہے کہ شیخ بہاء اللہ نبوت کے مدعی تھے۔ مگر آج ان کی جماعت کے آرگن "کوکب ہند" نے ہمارے اس خیال کی بڑی سختی سے تردید کی۔"

پھر بہائی رسالہ کا حوالہ درج کر کے لکھا ہے

"ہمیں کیا ضرورت کہ ہم ان کی نبوت پر اصرار کریں اور ہمارے فاضل نامہ نگار مولوی محمد حسین صابری بریلوی کو کیا مطلب کہ وہ قادیانیوں کے حملے سے ان کی مدافعت کریں کہ شیخ بہاء اللہ نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ پس صابری صاحب ان دونوں (قادیانیوں اور بہائیوں) کو چھوڑ دیں کہ باہم نمٹ لیں۔ ہم کاہے کو کسی کا مسلمہ عقیدہ تبدیل کریں یا تبدیل کرنے پر زور دیں بلکہ ہم وہی کہیں گے جو خود بہائی اپنا عقیدہ ظاہر کریں گے"۔

(اہلحدیث جلد ۲۵ صفحہ ۳۵ مورخہ ۶ جولائی ۱۹۲۸ء)

۹۔ کتاب اقدس جو بہائی مذہب کی شریعت کی کتاب ہے اور بہاء اللہ کی تصنیف ہے اس میں لکھا ہے

"میں قید خانہ میں ہوں۔ میں مالک الاسماء ہوں۔ میرے بغیر کوئی خدا نہیں"

(اقدس نمبر ۲۸۲)

۱۰۔ کتاب اقدس کے فقرہ نمبر ۲۲۹ اور ۲۱۷ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب اقدس بہاء اللہ کی اپنی تصنیف ہے اور یہ کہ اس کا نازل کرنے والا خود بہاء اللہ ہے۔ نیز بہائیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ علی محمد باب پر البیان بھی بہاء اللہ نے نازل کی تھی جسے بعد میں خود بہاء اللہ نے منسوخ قرار دے دیا تھا۔

"بارگاہ میں مومنوں کی طرف سے متفرق درخواستیں آئیں ان میں انہوں نے رب العالمین سے جو دیکھی ہوئی اور ان دیکھی چیزوں کا خدا ہے، بعض باتیں پوچھیں۔ اس لئے ہم نے اس لوح کو نازل کیا اور اس کو حکم کے لباس سے مزین کیا تاکہ لوگ اپنے رب کے احکام پر عمل کریں۔ اسی طرح قبل ازیں متواتر سالوں میں ہم سے سوال کیا گیا اور ہم نے بطور حکمت اپنے قلم کو روکے رکھا۔ یہاں تک کے متعدد لوگوں کے خطوط ان دنوں میں پہنچے۔ اس لئے ہم نے ان کو وہ باتیں جواباً بتائیں جن سے دلوں کو حیات بخشی جائے گی۔"

مندرجہ بالا دس دلائل کے ذریعے میں واضح طور پر یہ ثابت کر چکا ہوں کہ بہاء اللہ کا دعویٰ نبی ہونے کا یا وہ مسیح موعود ہونے کا ہرگز نہیں تھا جس کی خبر احادیث میں دی گئی ہے اور جس کا کام صلیب توڑنا اور خنزیر کو قتل کرنا یعنی عیسائیت کی بیخ کنی کرنا بتایا گیا ہے۔ اگر بہاء اللہ کے دعوے پر سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ بہاء اللہ اسلامی اصطلاح کا نبی ہونے کا ہرگز دعویدار نہیں بلکہ وہ اپنے آپ کو انجیل میں بیان کردہ مسیح سے مماثل قرار دیتا ہے اگرچہ اس سے بھی افضل مقام کا دعوے دار ہے کیونکہ انجیل کے مسیح کی آمد بیٹے کی آمد قرار دی گئی ہے جبکہ بہاء اللہ اپنی آمد کو باپ کی آمد قرار دیتا ہے۔

انجیل میں مسیح کی دوہری شخصیت کو پیش کیا گیا ہے یعنی ایک پہلو سے انسان اور ایک

پہلو سے خدا۔ چنانچہ انجیل متی باب ۱۶ آیت ۱۳ تا ۱۸ میں لکھا ہے:

"جب یسوع قیصریہ فلپی کے علاقہ میں آیا تو اس نے اپنے شاگردوں سے یہ پوچھا کہ لوگ ابن آدم کو کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بعض یوحنا بپتسمہ دینے والا کہتے ہیں بعض ایلیاہ بعض یرمیاہ یا نبیوں میں سے کوئی۔ اس نے ان سے کہا مگر تم مجھے کیا کہتے ہو؟ شمعون پطرس نے جواب میں کہا تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے۔ یسوع نے جواب میں اس سے کہا مبارک ہے تو شمعون بریوناہ کیونکہ یہ بات گوشت اور خون نے نہیں بلکہ میرے باپ نے جو آسمان پر ہے تجھ پر ظاہر کی ہے۔"

"اور جب فریسی جمع ہوئے تو یسوع نے ان سے یہ پوچھا کہ تم مسیح کے حق میں کیا سمجھتے ہو؟ وہ کس کا بیٹا ہے؟ انہوں نے اس سے کہا داؤد کا۔ اس نے ان سے کہا پس داؤد روح کی ہدایت سے کیونکر اسے خدا کہتا ہے کہ

خداوند نے میرے خداوند سے کہا
میری دہنی طرف بیٹھ
جب تک میں تیرے دشمنوں کو تیرے
پاؤں کے نیچے نہ کر دوں

پس جب داؤد اس کو خداوند کہتا ہے تو وہ اس کا بیٹا کیونکر ٹھہرا۔"

(انجیل متی باب ۲۲ آیت ۴۱ تا ۴۵)

اسی طرح بہائی لٹریچر میں بھی بہاء اللہ کی دوہری شخصیت کو پیش کیا گیا ہے چنانچہ بہائیوں کی ایک مشہور کتاب "عصر جدید" میں لکھا ہے

(الف) "حضرت بہاء اللہ کی کتابوں میں یہ کلام دفعۃً" ایک مقام سے دوسرے مقام میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ابھی تو ایک انسان کلام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور ابھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا خود کلام کر رہا ہے۔ مقام بشریت سے کلام فرماتے ہوئے بھی بہاء اللہ اس طرح کلام فرماتے ہیں جس طرح خدا کا فرستادہ کلام کرے اور لوگوں کو رضاء الہی

کے سامنے کامل تسلیم کا زندہ نمونہ بن کر دکھائے۔ آپ کی تمام زندگی روح القدس سے بھرپور تھی۔ اس لیے آپ کی زندگی اور تعلیمات میں بشری اور الٰہی عناصر کے درمیان کوئی صاف خط نہیں کھینچا جا سکتا"

(ب) "عیسائیوں نے آپ (مسیحؑ) کے ظہور کو خدا کی آمد یقین کرنے میں بالکل صحیح رویہ اختیار کیا۔ آپ کے چہرہ میں انہوں نے خدا کے چہرہ کو دیکھا اور آپ کے لبوں سے انہوں نے خدا کی آواز کو سنا۔ حضرت بہاء اللہ فرماتے ہیں کہ رب الافواج ابدی باپ دنیا کے بنانے اور بچانے والے کی آمد جو تمام انبیاء کے بیانات کے مطابق آخری ایام میں واقع ہونے والی ہے۔ اس سے سوائے اس کے اور کچھ مراد نہیں کہ خدا انسانی شکل میں منصہ شہود پر ظاہر ہو گا۔ جس طرح اس نے اپنے آپ کو یسوع ناصری کی ہیکل (جسم) کے ذریعہ ظاہر کیا تھا۔ اب وہ اس مکمل تر اور روشن تر ظہور کے ساتھ آیا ہے"۔

جس طرح انجیل میں حضرت مسیحؑ بار بار اپنے آپ کو "ابن آدم" کے نام سے پکارتے ہیں لیکن خدا کا بیٹا اور خداوند قرار دیئے جانے پر بھی خوش ہوتے ہیں اور داؤد نبی کی دلیل اپنے خداوند ہونے پر پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح بہائی لٹریچر میں بہاء اللہ کو بیک وقت انسان اور خدا کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جناب نور محمد قریشی صاحب نے بہائی لٹریچر میں سے صرف ان اقتباسات کو چنا ہے جن میں بہاء اللہ بحیثیت انسان کلام کرتا دکھائی دیتا ہے اور اس کے وہ تمام دعاوی، جن کی بناء پر بہائی اسے خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتے ہیں، نظر انداز کر دیئے ہیں۔ مزید ستم یہ کہ بہاء اللہ خود کو انجیلی مسیح کا مثیل بلکہ اس سے بھی افضل قرار دیتا ہے جبکہ قریشی صاحب اسے زبردستی اسلامی مسیح موعود قرار دینے پر مصر ہیں۔ میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ بہاء اللہ کا دعویٰ اگر احادیث میں مذکور مسیح موعود ہونے کا ہو تو وہ قرآن مجید کو تو منسوخ نہ کرتا اور اس صورت میں ہم اس کے دعوے پر غور کرنے کے لئے تیار بھی ہو جاتے لیکن یہ کیسا مسیح موعود ہے کہ جس شاخ پر بیٹھا ہے اسی کو کاٹ رہا ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اپنے اس دعویٰ میں مکمل طور پر حق بجانب ہیں کہ ان کے

زمانہ میں ان کے سوا کسی اور نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا کیونکہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اپنے آپ کو وہ موعود شخص گردانتے تھے اور ہیں جس کا کام عیسائیت اور شرک کی بیخ کنی کرنا اور اسلام کی تائید کرنا اور اسے بام عروج تک پہنچانا ہے جبکہ بہاء اللہ کا دعویٰ ایسے مسیح ہونے کا ہے جس کا مقصد اسلام کو منسوخ قرار دینا اور عیسائیت کے عقیدہ حلول یعنی انسانی شکل میں خدا کے ظاہر ہونے کے عقیدے کو شہرت دینا اور قائم کرنا ہے۔

قادیانی امت کے لئے لمحہ فکریہ

اس عنوان کے تحت قریشی صاحب نے یہ بے بنیاد اور سرے سے غلط نظریہ اختیار کرتے ہوئے کہ بہاء اللہ کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا ہے' احمدیوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ اگر وفات مسیحؑ کا قائل ہوتے ہوئے احمدی ایک مثیل مسیحؑ کو ماننے پر تلے ہی ہوئے ہیں تو پھر بانی جماعت احمدیہ کے مقابلے میں بہاء اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے مسیح موعود مانا جائے کیونکہ بانی جماعت احمدیہ کے مقابلے میں بہاء اللہ کی مماثلت حضرت مسیحؑ سے زیادہ قوی ہے۔ اپنے اس دعوے اور اس کی دلیل کی بنیاد مصنف نے ایک بہائی عالم ابوالفضل گلپائیگانی کی کتاب الفرائید پر رکھی ہے جس میں بقول مصنف بہاء اللہ کے دعویٰ مسیح موعود اور اس کے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ مصنف بیان کرتا ہے کہ بہاء اللہ کے دعویٰ کی مماثلت حضرت مسیح سے مندرجہ ذیل امور میں ہے:

۱۔ مسیحؑ سے پہلے یوحنا آیا جس نے مسیحؑ کی منادی کی۔ اسی طرح بہاء اللہ سے پہلے باب آیا جس نے بہاء اللہ کی آمد کی خبر دی اور نبوت کا دعویٰ کیا۔

۲۔ مسیحؑ نے مقام میں افضل ہونے کے باوجود یوحنا کی بیعت کی۔ اسی طرح بہاء اللہ نے بھی نبوت کے دعوے سے قبل علی محمد باب کی بیعت کی۔

۳۔ یوحنا قتل ہوا اسی طرح علی محمد باب بھی قتل ہوا۔

بہاء اللہ کی حضرت مسیحؑ کی ان مماثلتوں کے مقابل پر بقول مصنف بانی جماعت احمدیہ میں حضرت مسیحؑ سے کوئی مماثلت نہیں پائی جاتی اور ایک واحد مماثلت جس کا بقول مصنف بانی جماعت احمدیہ نے دعویٰ کیا ہے وہ بالکل غلط اور نہایت مضحکہ انگیز ہے۔ بقول مصنف بانی جماعت احمدیہ نے یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ جس طرح مجھے دو بیماریاں جسم کے اوپر اور نچلے حصے میں ہیں اسی طرح مسیحؑ کو بھی دو بیماریاں لاحق تھیں لہٰذا میں مثیل مسیح ہوں۔

اب میں سلسلہ وار مصنف کی بیان کردہ بہاء اللہ کی حضرت مسیحؑ سے مماثلتیں اور بانی جماعت احمدیہ کی مسیحؑ سے بیان کردہ مماثلت کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔

ا۔ بہائی لٹریچر کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ علی محمد باب نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ چنانچہ بہائی تحریک کے تیسرے سربراہ اور بہاء اللہ کے بیٹے عبدالبہاء کے نواسے شوقی آفندی کی انگریزی کتاب "God Passes By"، جس کا اردو ترجمہ "قرن بدیع" کے نام سے پروفیسر سید ارتضیٰ حسین عابدی فاضل نوگانوی نے کیا ہے میں صفحہ ۳۸ پر لکھا ہے،

"حضرت باب کا یہ دعویٰ ہے کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ زبان قدرت سے کہتے ہیں ...... آپ کا سلطنت ایران کے بادشاہ محمد شاہ کو زبردست تنبیہہ کرنا اور حاجی مرزا آقاسی وزیراعظم کو ہدایت کرنا کہ تو وزارت کے عہدے سے استعفا دیدے اور اس کا (یعنی حضرت باب کا) حکم مان "جو تمام دنیا و مافیہا کا مختار ہے .... یہ سب باتیں نمایاں علامات ہیں"۔

علی محمد باب نے اپنا دعویٰ ابتداء میں صرف ایک شخص ملاحسین کے سامنے پیش کیا تھا جس کے بارے میں بہاء اللہ اپنی کتاب "ایقان" میں لکھتا ہے

"اگر وہ نہ ہوتا تو خدائے بزرگ و برتر مقام رحمت پر جلوہ فرما نہ ہوتا اور اپنے تخت عزت و جلال پر نزول نہ فرماتا"

باب

یہاں میں ضمناً یہ بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ باب کے متعلق کچھ ضروری اور بنیادی معلومات قارئین تک پہنچا دوں۔ اثنا عشری شیعہ صاحبان کا عقیدہ ہے کہ ان کے بارہویں امام حضرت محمد بن حسن عسکری غائب ہیں اور آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے۔ ان کے غائب رہنے کے زمانہ میں ان سے تعلق کا ذریعہ جو شخص ہوتا ہے اسے شیعہ اصطلاح میں باب کہتے ہیں۔ مشہور شیعہ کتاب اکمال الدین میں لکھا ہے

"اور اس وقت تک امام غائب کے معتبر اتباع میں سے ایسے دعویدار پیدا ہوتے رہے ہیں، جو کہتے ہیں کہ وہ اس کے لئے باب یعنی دروازہ

ہیں اور اس کا امر و نہی، اس کے مریدوں کو پہنچاتے ہیں"

علامہ ابو جعفر ابن بابویہ القمی مصنف اکمال الدین کے نزدیک ایسے بابوں کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری ہے چنانچہ امام غائب کی غیبوبیت کے بعد شیعوں میں یکے بعد دیگرے چار اشخاص نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم امام غائب کے نائب یا باب ہیں۔ ان میں سے چوتھا مدعی باب ابوالحسن علی بن محمد السری تھا جو ۱۵ شعبان ۳۲۸ کو فوت ہوا تھا جس کے بعد عام طور پر غائب کا طریقہ مسدود سمجھا گیا اور شیعوں کے نزدیک غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہو گیا۔

بارھویں صدی ہجری کے اواخر میں امام غائب کے منتظرین پر یاس کی حالت طاری ہو رہی تھی اور اس عقیدہ میں لمبے انتظار کے باعث تزلزل پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ علامہ مجلسی اور علامہ القمی نے جس خیال کو قرون وسطیٰ میں راسخ کیا تھا اب اس کی بنیادیں ہل رہی تھیں۔ اس لئے شیعہ صاحبان میں ایسے لوگ کھڑے ہوئے جنہوں نے اپنے پیرووں کو "قرب ظہور" کی امید پر اس پرانے خیال سے وابستہ رکھنے کی کوشش کی۔ یہ لوگ فرقہ شیخیہ کے نام سے موسوم ہوئے جو بابی اور بہائی تحریک کی اولین صورت تھی۔ سید علی محمد جس نے بعد میں باب ہونے کا دعویٰ کیا اسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اور اس فرقہ کے بانی شیخ احمد الاحسائی کے ساتھی اور جانشین سید کاظم الرشتی کا خاص الخاص اور قریب ترین شخص تھا۔

یہ تھے وہ حالات جن میں علی محمد نے باب ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے بعد ۱۲۶۴ ہجری میں علی محمد باب نے امام مہدی **المنتظر** ہونے کا دعویٰ کر دیا بلکہ اس سے بھی بلند تر۔ چنانچہ "قرن بدیع" صفحہ ۴۴ پر لکھا ہے

> "حضرت باب جل اسمہ نے صرف اسی دعوے پر اکتفا نہیں کی تھی کہ وہ امام غائب تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں بلکہ آپ نے ایسے مقام کا دعویٰ کیا تھا جو رتبہ میں صاحب الزماں سے بھی بہت اعلیٰ و ارفع تھا ..... اور آپ نے فرمایا کہ میں ہی تمام زمین اور اس کی چیزوں کا وارث ہوں"

بہائی کتاب "الکواکب" کے بقول (حضرت یحیٰؑ کے برخلاف۔ الفر) باب نے علماء کے سامنے اپنے دعویٰ سے توبہ کر لی تھی۔

اس طرح کے بے شمار حوالے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ باب کا دعویٰ نبوت کا

نہیں تھا بلکہ ایک مستقل خدائی ظہور کا دعویٰ تھا۔ اسی طرح بہائی تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ علی محمد باب نے اپنے بعد آنے والے ایک اور مستقل خدائی ظہور **"من یظہرہ اللہ"** کی جو بشارت دی تھی اس کا مصداق اس نے بہاء اللہ کی بجائے اس کے سوتیلے بھائی مرزا یحیٰ صبح ازل کو قرار دیا تھا۔ بہاء اللہ نے علی محمد باب کے قید اور پھر بعد میں قتل ہو جانے کا فائدہ اٹھایا اور من یظہرہ اللہ کا مصداق خود کو قرار دے دیا۔

چنانچہ قریشی صاحب کی بیان کردہ یہ پہلی مماثلت کہ باب نے دعویٰ نبوت کیا تھا اور بہاء اللہ کی آمد کی اطلاع دی تھی ان حالات و واقعات کی روشنی میں جو مستند بہائی لٹریچر سے لئے گئے ہیں، بالکل غلط قرار پاتی ہے۔

۲۔ دوسری مماثلت بہاء اللہ کی حضرت مسیحؑ سے مصنف نے یہ بیان کی ہے کہ جس طرح مسیحؑ یوحنا پر ایمان لے آئے تھے اسی طرح بہاء اللہ بھی باب پر ایمان لے آیا تھا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مسیحؑ یوحنا پر کس طرح ایمان لایا اور یوحنا نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

جب حضرت مسیحؑ بقول انجیل یوحنا سے بپتسمہ لینے کے لئے آگے بڑھے تو یوحنا یہ کہہ کر اسے منع کرنے لگا کہ میں خود تجھ سے بپتسمہ لینے کا محتاج ہوں اور تو میرے پاس آیا ہے۔ یسوع نے جواب میں اس سے کہا کہ اب تو ہونے ہی دے کیونکہ ہمیں اسی طرح ساری راستبازی پوری کرنا مناسب ہے۔ اس پر اس نے ہونے دیا۔

اب باب اور بہاء اللہ کے تعلق پر نظر ڈالیں تو ایسا کوئی واقعہ وہاں نظر نہیں آتا۔ یہ بات تو درست ہے کہ باب نے من یظہرہ اللہ کو خود سے **افضل** قرار دیا لیکن اول تو اس نے اس کا مصداق بہاء اللہ کی بجائے مرزا یحیٰ صبح ازل کو قرار دیا تھا اور یہ بات خود بہائیوں کو بھی مسلم ہے لیکن وہ اس کی تاویل اس طرح سے کرتے ہیں کہ ایسا دراصل بہاء اللہ سے سب لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے کیا گیا تھا (الکواکب)

دوسری بات یہ ہے کہ بہاء اللہ کی بیعت قبول کرتے وقت علی محمد باب نے کسی قسم کی پس و پیش نہیں کی اور نہ ہی اسے یہ کہا کہ میں خود تیری بیعت کرنے کا محتاج ہوں بلکہ دیگر بابیوں کی طرح خوشی سے اس کی بیعت قبول کی۔ لہٰذا مصنف کی بیان کردہ یہ دوسری مماثلت بھی خاک میں مل گئی۔

۳۔ تیسری مماثلت مصنف نے یہ بیان کی ہے کہ حضرت یحیٰؑ کی طرح باب بھی قتل

ہوا تھا۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ باب کا دعویٰ نبوت کا نہیں تھا بلکہ مستقل خدائی ظہور کا تھا اس لئے دو مختلف النوع عہدوں کے مدعی افراد کا آپس میں مقابلہ کرنا حماقت ہے۔ پھر بھی یہ عرض کرتا ہوں کہ حضرت یحییٰ کے قتل اور باب کے قتل میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہر وہ شخص جو زہر کھائے گا مرے گا لیکن ہر وہ شخص جو مرتا ہے لازمی نہیں کہ زہر خورانی سے مرا ہو۔ اسی طرح ہر مقتول شہید نہیں کہلا سکتا۔

حضرت یحییٰؑ خدا کے سچے نبی تھے جنہیں اپنی عصمت کی حفاظت کرنے کی بناء پر قرآن مجید میں "حصور" کہہ کر پکارا گیا ہے۔ آپ ایک امن پسند شہری تھے اور کسی قسم کی شرانگیز اور پرفساد تعلیم نہیں دیتے تھے۔ آپ کو فلسطین کا رومی گورنر قتل بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اس کے برعکس علی محمد باب حکومت وقت کا باغی تھا۔ بہاء اللہ کے بیٹے اور جانشین عبدالبہاء آفندی کا کہنا ہے

> "حضرت اعلیٰ یعنی باب کے ظہور کے وقت بیان کا خلاصہ یہ تھا کہ گردنیں اڑائی جائیں۔ کتابیں اور اوراق جلا دیئے جائیں۔ مقامات منہدم کر دیئے جائیں بجز ایمان لانے والے کے اور تصدیق کرنے والے کا قتل عام کیا جائے۔"

(مکاتیب عبدالبہاء جلد ۲ صفحہ ۲۶۶)

اس شرانگیز تحریک کو حکومت نے سختی سے کچلا اور اس کے بانی علی محمد باب کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ چنانچہ باب کے قتل اور حضرت یحییٰ سیدو حصور کی شہادت میں کوئی مماثلت نہیں۔

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

ان نام نہاد مماثلتوں کے بعد میں اس الزام کا جواب دینا چاہتا ہوں جو مصنف نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر عائد کیا ہے۔ مصنف کے بقول حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا یہ دعویٰ ہے کہ جس طرح مجھے دو بیماریاں لاحق ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کو بھی دو بیماریاں لاحق تھیں لہٰذا اس رنگ میں میری ان سے مماثلت ہے۔ مصنف نے یہ نام نہاد مماثلت حضرت بانی سلسلہ احمدیہ سے بلاحوالہ منسوب کی ہے اور کسی بھی کتاب یا تحریر کی نشاندہی نہیں کی جہاں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے حضرت مسیحؑ سے اپنی یہ

مماثلت بیان فرمائی ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں مصنف کا مطالعہ احادیث نہایت کمزور ہے وہاں ان کی جماعت احمدیہ کے لٹریچر سے بھی خاصی ناواقفیت ہے اور ان کے اعتراضات کی زیادہ تر بنیاد مخالفانہ لٹریچر ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ ان کو آج تک کوئی ایسا احمدی نہیں ملا جس نے حضرت بانی جماعت احمدیہ کی کتب کو مکمل طور پر پڑھا ہو۔ اگرچہ یہ بات بھی بالبداہت غلط ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت سے احمدی موجود ہیں جنہوں نے حضرت بانی سلسلہ کی کتب کا متعدد بار دور کیا ہے۔ لیکن دوسری طرف اگر مصنف کے اعتراضات جو اس نے جماعت احمدیہ کے عقائد اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تصانیف پر وارد کئے ہیں تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ معدودے چند کتابیں جن سے مصنف نے اپنا استدلال وضع کیا ہے وہ بھی انہوں نے مکمل نہیں پڑھیں۔ اگر انہوں نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی صرف ایک کتاب "ازالہ اوہام" ہی مکمل طور پر پڑھی ہوتی تو وہ حضرت مسیحؑ کے گلیل میں فوت ہونے اور حضرت مسیحؑ اور حضرت بانی جماعت احمدیہ میں دو بیماریوں کی مماثلت والا الزام ہرگز نہ عائد کرتے۔

ذیل میں حضرت بانی جماعت احمدیہ کی تحریر کردہ وہ عبارت پیش ہے جس میں انہوں نے ان دو بیماریوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ عبارت ازالہ اوہام سے لی گئی ہے۔ قارئین خود فیصلہ فرمالیں کہ اس میں حضرت مسیحؑ سے مماثلت کا ذکر ہے یا حدیث میں بیان کردہ نشانی کی بات کی گئی ہے:

> "صحیح مسلم کی حدیث میں جو یہ لفظ موجود ہے کہ حضرت مسیحؑ جب آسمان سے اتریں گے تو ان کا لباس زرد رنگ کا ہو گا اس لفظ کو ظاہری لباس پر حمل کرنا کیسا لغو خیال ہے زرد رنگ پہننے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی لیکن اگر اس لفظ کو ایک کشفی استعارہ قرار دیکر معبرین کے مذاق اور تجارب کے موافق اس کی تعبیر کرنا چاہیں تو یہ معقول ہوگی کہ حضرت مسیحؑ اپنے ظہور کے وقت یعنی اس وقت میں کہ جب وہ مسیح ہونے کا دعویٰ کریں گے کسی قدر بیمار ہوں گے اور حالت صحت اچھی نہیں رکھتے ہوں گے کیونکہ کتب تعبیر کی رو سے زرد رنگ پوشاک پہننے کی یہی تاویل ہے"۔

(ازالہ اوہام صفحہ ۳۶)

احادیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ جب حضرت مسیحؑ نازل ہوں گے تو ان کے بدن پر دو زرد چادریں ہوں گی۔ چونکہ یہ بات اظہر من الشمس ہو چکی ہے کہ حضرت مسیحؑ فوت ہو چکے ہیں لہذا جہاں ان کا نزول تمثیلی ہے وہاں ان کے لباس کے متعلق بھی ہمیں غور کرنا پڑے گا کہ اس پر حکمت نبیؐ نے جو تمام دنیا کو حکمت سکھانے آیا تھا اور جس کا کوئی کلام بھی ایسا نہیں جس میں علم و معرفت اور حکمت کا سمندر نہ ٹھاٹھیں مارتا ہو' آخر یہ الفاظ کیوں استعمال فرمائے ہیں۔ آخر زرد چادروں میں لپٹا ہونا کوئی ایسی نشانی تو ہرگز نہیں جس طرح دو اجنبی ایک دوسرے کو ملنے سے پہلے آپس میں نشانی مقرر کر لیتے ہیں کہ میں نے اس رنگ کا لباس پہنا ہو گا یا میرے ہاتھ میں گلاب کا پھول ہو گا کیونکہ آسمان سے نزول اور وہ بھی دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اترنا اتنی بڑی اور واضح علامت ہے جس کی موجودگی میں کسی دوسری علامت کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہ جاتی۔

صاحب بصیرت علماء اور مفسرین نے اپنی کتابوں میں زرد چادروں سے مراد بیماری لی ہے جس طرح اگر کوئی شخص خواب میں حضرت عیسیٰؑ کو دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ظاہر کی جاتی ہے کہ اسے دور دراز کا سفر درپیش ہو گا۔ اسی طرح زرد چادروں میں لپٹے ہونے سے مراد یہ ہے کہ آنے والے موعود کو دو بیماریاں لاحق ہوں گی۔ **تعطیر الانام** جز اول صفحہ ۹۶ پر لکھا ہے "اگر خواب میں یا کشفی نظارے میں کسی کو زرد کپڑوں میں ملبوس دیکھو گے تو اس سے مراد بیماری ہوتی ہے" اگر زرد کپڑوں کی نشانی کو ظاہر پر محمول کیا جائے تو یہ نظریہ خلاف قول رسول کریمؐ ہے۔ صحیح مسلم کتاب **"اللباس والزینتہ"** میں حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص سے مروی حدیث بیان کی گئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "ایک شخص کو رسول کریمؐ نے زرد کپڑوں میں ملبوس دیکھا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ کفار کا لباس ہے اسے مت پہنا کرو"۔ غور کا مقام ہے کہ جس لباس کو رسول کریمؐ کفار کا لباس قرار دے چکے ہیں اسے خدا کے نبی کی نشانی کس طرح قرار دے سکتے ہیں۔ مصنف کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ حضرت مسیحؑ بالکل تندرست انسان تھے اور انہیں کسی طرح کی بیماری لاحق نہیں تھی۔ لیکن حدیث سے ہی ثابت ہے کہ آنے والا موعود ایک دوسرا شخص ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ دوران معراج آنحضرتؐ کی ملاقات جس مسیحؑ سے ہوئی اس کا حلیہ اس مسیحؑ سے بالکل مختلف بیان کیا گیا ہے جس کو خواب میں آپؐ نے خانہ کعبہ کا طواف کراتے دیکھا ہے۔

"حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بتایا کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے مسیح دجال کا ذکر کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ یک چشم نہیں لیکن مسیح دجال کانا ہوگا۔ مسیح دجال کی دائیں آنکھ کانی اور یوں ابھری ہوگی جیسے انگور کا دانہ ہوتا ہے۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کعبہ مکرمہ کے پاس ہوں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک گندمی رنگ کا خوبصورت آدمی ہے زلفیں کندھوں تک پہنچ رہی ہیں' بال سیدھے شفاف ہیں جن سے پانی کے قطرے ٹپکتے نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے ہاتھ دو آدمیوں کے کندھوں پر رکھے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے۔ لوگوں نے بتایا مسیحؑ ابن مریم ہے۔ پھر میں نے ان کے پیچھے ایک اور آدمی دیکھا۔ گھنگھریالے بال سخت جلد' دائیں آنکھ کانی' ابن قطن سے ملتی جلتی شکل ہے اور ایک آدمی کے دونوں کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھے کعبہ کے گرد گھوم رہا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ مسیح الدجال ہے۔

(بخاری کتاب الانبیاء باب واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا
اور مسند احمد)

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے ایک کشفی نظارہ میں عیسیٰ' موسیٰ اور ابراہیم کو دیکھا۔ عیسیٰ سرخ رنگ کے گھنگھرالے بالوں والے چوڑے سینے والے تھے لیکن موسیٰؑ گندمی رنگ والے اور بھاری جسم کے تھے۔ ان کے بال سیدھے تھے جیسے زط قبیلہ کے لوگ ہوتے ہیں۔

(بخاری کتاب الانبیاء باب واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا)

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں کا مضمون واضح طور پر یہ بتا رہا ہے کہ مسیحؑ ناصری اور مسیح موعود دو مختلف شخصیات ہیں کیونکہ ایک ہی شخصیت کے دو حلیے نہیں ہو سکتے۔ مزید برآں حضرت بانی جماعت احمدیہ نے کسی بھی جگہ حضرت مسیحؑ سے دو بیماریاں منسوب نہیں فرمائیں اور نہ ہی اس رنگ میں اپنی مماثلت ان سے ظاہر فرمائی ہے بلکہ حدیث میں موجود

زرد چادروں والی نشانی کو اپنے اوپر منطبق فرماتے ہوئے اس کی تعبیر علم الرویاء کے مطابق یہ فرمائی ہے کہ اس سے مراد دو بیماریاں ہیں جو مجھے لاحق ہیں۔

ایک عام فہم رکھنے والا شخص بھی جو جماعت احمدیہ کے بنیادی عقائد سے واقف ہو یہ سمجھ سکتا ہے کہ جب جماعت احمدیہ حضرت مسیحؑ ناصری کو فوت شدہ مانتی ہے اور نزول مسیح سے مثیل مسیحؑ کی آمد مراد لیتی ہے تو پھر نازل ہونے والے کی نشانی کو حضرت مسیحؑ ناصری پر کس طرح چسپاں کیا جا سکتا ہے۔ ان عقائد کی روشنی میں اگر یہ نشانی چسپاں ہوئی تو صرف مثیل مسیح پر ہی چسپاں ہو گی۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خاکسار دلائل و شواہد کے ساتھ یہ ثابت کر چکا ہے کہ اول تو بہاء اللہ کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا نہیں اور دوسرے یہ کہ حضرت مسیحؑ کے ساتھ اس کی کسی بھی پہلو سے کوئی بھی مماثلت نہیں۔ اسی طرح خاکسار یہ بھی واضح کر چکا ہے کہ مصنف نے حضرت بانی جماعت احمدیہ پر جو الزام لگایا ہے کہ گویا ان کا حضرت مسیحؑ سے اس رنگ میں مماثلت کا دعویٰ ہے' یہ الزام بھی خلاف حقیقت اور سراسر غلط ہے۔

اب میں وہ مماثلتیں بیان کرتا ہوں جو درحقیقت حضرت مسیحؑ اور حضرت بانی جماعت احمدیہ میں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ حضرت مسیحؑ نے موسوی شریعت کے جلالی رخ کی بجائے اس کے جمالی پہلو کو زیادہ اجاگر کیا۔ چنانچہ تورات کی تعلیم جان کے بدلے جان۔ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت کے مقابلے پر انہوں نے یہ تعلیم دی کہ اگر تمہیں کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو تم دوسرا بھی اس کے آگے کر دو۔ اسی طرح بانی جماعت احمدیہ نے آنحضرتؐ کی حدیث مبارکہ "یضع الحرب" کو پورا فرماتے ہوئے تلوار کی جنگ کی بجائے دلائل و براہین کے جہاد کا آغاز کیا اور جنگ کی بجائے امن کی تعلیم دی جو رسول اکرمؐ کی جمالی شان یعنی شان احمدیت کا ظہور ہے۔

۲۔ جب مسیحؑ فلسطین میں پیدا ہوئے تو وہاں پر غیر ملکی اور غیر مذہب کے لوگ حکمران تھے۔ اسی طرح حضرت بانی جماعت احمدیہ کی پیدائش کے وقت ہندوستان پر انگریز حکمران تھے جو نہ صرف غیر ملکی تھے بلکہ ان کا مذہب بھی ہندوستانی باشندوں سے جدا تھا۔

۳۔ یہودی علماء نے رومی گورنر کو بھڑکایا کہ یہ شخص یعنی مسیحؑ ناصری رومی حکومت کا باغی ہے۔ خود کو یہودیوں کا بادشاہ کہتا ہے اور خدا کی بادشاہت کے نام پر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح متعدد مسلمان علماء نے انگریزی حکومت کو باربار بھڑکایا کہ یہ شخص یعنی بانی جماعت احمدیہ مہدی سوڈانی سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور مسیحؑ کی سخت توہین کرتا ہے اور آپ کے مذہب کی بیخ کنی کرنا چاہتا ہے۔

۴۔ آج تک یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیحؑ صلیب پر فوت ہو گئے تھے اور چونکہ تورات میں لکھا ہے کہ جو کاٹھ پر لٹکایا گیا وہ ملعون ہے لہٰذا مسیح (نعوذ باللہ من ذالک) لعنتی موت مرے ہیں اور لعنتی موت مرنے والا نبی نہیں ہو سکتا۔ بعینہ یہی عقیدہ مسلمان علماء نے حضرت بانی جماعت احمدیہ کے متعلق عوام میں پھیلا رکھا ہے۔ یعنی یہ کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی موت (نعوذ باللہ من ذالک) ایک گندی اور لعنتی موت تھی اور جس شخص کا ایسا انجام ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔

۵۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ حضرت موسیٰؑ سے تیرہ سو برس بعد پیدا ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت بانی جماعت احمدیہ بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تیرہ سو برس بعد پیدا ہوئے تھے۔

ان واضح مماثلتوں کے بعد مصنف کی یہ بات قطعی طور پر غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ

حضرت بانی جماعت احمدیہ کی حضرت مسیح ؑ سے کوئی مماثلت نہیں۔ ان حالات میں وفات مسیح ؑ کے قائل کسی شخص کے لئے بھی اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ حضرت بانی جماعت احمدیہ کو مسیح موعود تسلیم کرے۔ مصنف کا اب فرض ہے کہ انہوں نے جو دعوت جماعت احمدیہ کے افراد کو دی ہے وہ اب انہی الفاظ میں بہائی جماعت کے سامنے پیش کریں اور حضرت بانی جماعت احمدیہ کی حضرت مسیح ؑ سے مماثلتوں کو پیش کر کے انہیں حقیقی مسیح موعود پر ایمان لانے کی تلقین کریں۔

اس ضمن میں مزید یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جماعت احمدیہ کسی بھی مدعی کے دعوے کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ اس کا دعویٰ قرآن مجید اور احادیث کے مطابق ہو اور ہمارے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے مشروط ہو، میری یہ گذارش قرآن کریم کی اس آیت کے عین مطابق ہے۔

"تو کہہ دے کہ اگر رحمٰن (خدا) کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں اس کی سب سے پہلے عبادت کرتا"

(سورہ الزخرف آیت نمبر ۸۲)

ہمارے خیال کے مطابق چونکہ حضرت بانی جماعت احمدیہ کے علاوہ بہاء اللہ یا دیگر کسی اور مدعی مہدویت و مسیحیت کے حق میں کوئی نقلی یا عقلی دلیل موجود نہیں لہٰذا ہم بلاخوف و خطر اس کا انکار کرتے ہیں۔ دوسری اور سب سے اہم بات یہ ہے جو احمدیت کی دشمنی میں مصنف کو سمجھ نہیں آئی یا جان بوجھ کر انہوں نے کتمان حق سے کام لیا ہے کہ احادیث میں جس مسیح اور مہدی کی آمد کی خبر دی گئی ہے اس کو اسلامی شریعت کا تابع قرآن و سنت کی تعلیمات کا چہار دانگ عالم میں پھیلانے والا اور انسان پرستی کے عقائد کو شکست فاش دینے والا قرار دیا گیا ہے، اسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل غلام اور امتی قرار دیا گیا ہے اور قرآن میں اس کے اس مقام مہدویت اور مسیحیت پر فائز ہونے کو اتباع محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشروط قرار دیا گیا ہے مگر ظلم کی انتہا ہے کہ قریشی صاحب ہمیں حلقہ غلامی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر ایک ایسے شخص کو مسیح موعود ماننے پر اصرار کر رہے ہیں جو حامی دین متین ہونے کی بجائے ناسخ نبوت و رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور جس کے نزدیک قرآن مجید نعوذ باللہ من ذالک منسوخ ہو چکا ہے اور اب بہائی شریعت اقدس کا دور ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ہم حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ کو بھی ہرگز درخور اعتنا نہ سمجھتے اگر ان کا یہ قول نہ ہوتا کہ

سب ہم نے اس سے پایا شاہد ہے تو خدایا
اور کل برکۃ من محمدؐ
اور بعد از خدا بعشق محمد مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

آپ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تصانیف ساری کی ساری پڑھ جائیں۔ آپ کو جابجا یہی تحریر ملے گی کہ اگر میرے اعمال پہاڑوں کے برابر بھی ہوتے تب بھی مجھے یہ مقام ہرگز نہیں مل سکتا تھا اگر میں نے حضرت محمدؐ کی غلامی نہ اختیار کی ہوتی۔ اس کے برعکس بہاء اللہ کا دعویٰ یہ ہے کہ گو محمدؐ ایک عظیم الشان نبی تھے بلکہ خاتم النبین تھے لیکن اب دور نبوت ختم ہو گیا ہے اور مستقل خدائی ظہور کا دور شروع ہو گیا ہے۔ کسی بھی جگہ اس نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اسے یہ مقام حضرت رسول کریمؐ کی اتباع سے حاصل ہوا ہے۔ ایسا نام نہاد مسیح موعود قریشی صاحب کو ہی مبارک ہو۔ ہم تو بزبان حضرت بانی سلسلہ احمدیہ یہی عرض کر سکتے ہیں کہ:۔

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلین
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک راہ احمد مختار ہیں

دعویٰ نبوت اور اس کا ثبوت

بہاء اللہ کی حضرت مسیحؑ سے مماثلتیں ثابت کرنے اور حضرت بانی جماعت احمدیہ اور حضرت مسیحؑ میں کسی بھی مماثلت کا انکار کرنے کے بعد مصنف نے مندرجہ بالا موضوع کو تکذیب بانی سلسلہ احمدیہ کے لئے چنا ہے۔ گویا ایک نیا محاذ کھولا ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ انبیائے سابقین کی طرح اپنا کوئی معجزہ نہیں

پیش کر سکے اور یہ کہ ابتداء میں تو وہ حضرت موسیٰؑ کے عصا اور حضرت عیسیٰؑ کے چڑیوں کی تخلیق وغیرہ کے قائل تھے لیکن جب خود ان سے اس قسم کے معجزات کا مطالبہ ہوا تو وہ "چوکڑی بھول گئے" اور نتیجۃً ان معجزات کا ہی انکار کر دیا۔ مصنف یہ بھی لکھتا ہے کہ دعویٰ نبوت ایک عظیم ترین دعویٰ ہے اور جتنا بڑا ہے اسی لحاظ سے اس کا ثبوت بھی ایسا ہی درکار ہے جو ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر ہونا چاہیے۔ اگر دعویٰ کا ثبوت نہیں ہو گا یا ثبوت کمزور ہو گا تو اس کے انکار پر کوئی گرفت بھی نہ ہو سکے گی۔

اس ضمن میں مصنف نے حضرت موسیٰؑ کے عصا اور حضرت مسیحؑ کے معجزات کو پیش کیا ہے اور پھر یہ اصرار کیا ہے کہ مسیحؑ سے مماثلت ثابت کرنے کے لئے جب بانی جماعت احمدیہ سے معجزات دکھانے کا مطالبہ ہوا تو وہ ناکامی کی صورت میں ان معجزات سے ہی انکار کر بیٹھے۔

اب میں سلسلہ وار ان نکات کو لیتا ہوں جو مصنف نے اس ضمن میں اٹھائے ہیں۔ پہلے میں یہ واضح کر دوں کہ یہ عنوان جو میں نے اس بحث کو دیا ہے یہ میری طرف سے ہے۔ مصنف نے دو بحثوں کو آپس میں گڈمڈ کر دیا ہے جس کے باعث یہ پتہ چلانا مشکل ہو جاتا ہے کہ پہلی بات کہاں ختم ہوئی اور دوسری کہاں شروع ہوئی اور یہ کہ پہلی بحث کا نتیجہ کیا نکلا۔

بہرحال پہلی بات جو مصنف نے لکھی ہے وہ یہ ہے کہ "ایک انسان کے لئے منصب نبوت سے بڑا منصب نہیں اور دعویٰ نبوت سے بڑا کوئی دعویٰ نہیں۔"

مصنف یہاں غلطی پر ہیں۔ بلاشبہ ایک انسان کو سب سے بڑا جو منصب عطا کیا جا سکتا ہے وہ منصب نبوت ہی ہے اور نبوت میں ہی مقام خاتمیت اور مقام محمود وہ افضل ترین مقام ہے جو ہمارے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا لیکن بہت سے مدعی ایسے بھی ہو گزرے ہیں جنہوں نے عین خدائی کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ فرعون، نمرود، اور شداد کا دعویٰ رب العالمین اور محی و ممیت ہونے کا تھا۔ اسی طرح موجودہ زمانے میں بہاء اللہ نے جیسا کہ میں پہلے ثابت کر آیا ہوں عین خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔

اس کے بعد بقول مصنف نبوت کے عظیم دعویٰ کے لئے ایسا ثبوت ہونا چاہئے جو ہر شک و شبہ سے پاک ہو۔ ہمارے نزدیک اس وقت صرف قرآن مجید، ایک ایسی چیز ہمارے پاس موجود ہے جو ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے اس لئے موجودہ دور کے کسی بھی

مدعی نبوت کے دعویٰ کو اس کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید فرقان حمید چونکہ الہام اور نبوت کو جاری بتاتا ہے لہٰذا خدائے رحمٰن و رحیم نے مدعی صادق و کاذب میں فرق شناخت کرنے کے لئے ہمیں واضح اصول عطا فرما دیا ہے۔ قرآن مجید میں کئی جگہ ذکر ہے کہ مفتری علی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ پر الہام کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا شخص "اظلم" یعنی سب سے بڑا ظالم ہے اور ظالم کبھی فلاح نہیں پا سکتا' کبھی پھل پھول نہیں سکتا۔ وہ خاص آیات جو جماعت احمدیہ ایک مضبوط دلیل کے طور پر پیش کرتی ہے اور جس کا جواب آج تک مخالفین احمدیت سے نہیں بن پڑا سورۃ الحاقہ کی آیات نمبر ۴۵ تا ۴۸ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہے۔

"اگر یہ مدعی بعض باتیں جھوٹے طور پر ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اس کو داہنے ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اس کی شاہ رگ کاٹ دیتے اور پھر تم میں سے کوئی اس کو بچا نہ سکتا۔"

یہ فیصلہ ہے اس کتاب کا جس کا اپنے متعلق یہ دعویٰ ہے کہ **"ذٰلک الکتٰب لاریب فیہ"** اور ہر مسلمان بدل و جان اس دعویٰ پر ایمان رکھتا ہے لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ آج زبان سے باربار قرآن مجید کو مکمل ضابطہ حیات کہنے کے باوجود عملی طور پر مسلمانوں نے اسے پس پشت ڈال رکھا ہے اور دینی یا دنیاوی کسی بھی مسئلے کے حل کے لئے اس کی طرف رجوع نہیں کرتے اور وہ زمانہ پورے طور پر آ چکا ہے جب رسول یہ پکار اٹھے کہ **"یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا"**۔

اگر حضرت بانی جماعت احمدیہ اور جماعت احمدیہ کے باربار ان آیات کے پیش کرنے پر کم از کم مسلمانوں نے اس قرآنی معیار کے مطابق حضرت بانی جماعت احمدیہ کی صداقت کو پرکھا ہوتا تو وہ اس ذلت کا شکار نہ ہوتے جس میں آج گرفتار ہیں اور اس کے سب سے زیادہ ذمہ دار علماء ہیں جنہوں نے قرآن مجید کی مقدس آیات کی غیر سائنٹفک' غیر عقلی اور ایسی افسانہ طراز تشریحات کر کے جو خود قرآن مجید کی دوسری آیات سے متضاد ہوتی ہیں اور علوم جدیدہ کے یکسر خلاف ہیں عام آدمی کو عملی طور پر قرآن مجید سے ہی دور کر دیا ہے اور اب عام مسلمان صرف برکت کی خاطر اس کی آیات کو تلاوت کرتا ہے اور اس کے ترجمہ اور تشریح کی طرف جانے سے گھبراتا ہے کہ اگر میں نے ایک عالم کا ترجمہ اور تفسیر قبول کر لیا تو دوسرے عالم کے نزدیک کافر قرار پاؤں گا۔ یہی حال احادیث کا ہے۔ ایک مسلک کے

لوگ اگر اپنے حق میں کوئی حدیث پیش کرتے ہیں تو دوسرے مسلک کے لوگ نہایت آسانی سے اسے ضعیف اور کمزور کہہ کر اپنی جان چھڑا لیتے ہیں۔ چنانچہ اب مسلمانوں میں یہ عام تاثر ہے کہ احادیث کا تو کوئی اعتبار نہیں کہ کونسی سچی ہے اور کونسی وضعی اور جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے اس کی آیات کا ترجمہ و تشریح ہر مولوی اپنے مطابق کرتا ہے اور عربی ہمیں آتی نہیں کہ ان کے ترجمہ و تشریح کی صحت جانچ سکیں للذا اس سے بھی چھٹی ہوئی۔ رسول کریمؐ کا وہ قول مبارک بالکل پورا ہو گیا ہے جس میں آپؐ نے فرمایا تھا

"عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ نام کے سوا اسلام کا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ الفاظ کے سوا قرآن کا کچھ باقی نہیں رہے گا....."

(مشکوۃ کتاب العلم۔ کنز العمال)

علماء کی ان باہمی مناقشات نے عوام الناس کو دین سے دور کر کے دنیاداری میں غرق کر دیا ہے۔ بہرحال دیگر تمام معیارات کو پس پشت ڈال کر قرآن مجید کی اس محکم آیت کی روشنی میں حضرت بانی جماعت احمدیہ کا دعویٰ پرکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ آپ اپنے دعوے میں سچے تھے کیونکہ آپ اپنے دعویٰ الہام کے بعد ۲۳ سال تک نہ صرف خود زندہ رہے بلکہ آج آپ کی قائم کردہ جماعت کو ایک سو سال سے زائد کا عرصہ گذر گیا ہے جبکہ اس آیت کریمہ کی روشنی میں مفتری علی اللہ کو اللہ تعالیٰ بالکل مہلت نہیں دیتا اور فوراً اس کے سلسلہ کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ قدیم مفسرین جن میں علامہ فخرالدین رازی مصنف تفسیر کبیر، امام ابو جعفر طبری مصنف تفسیر ابن جریر، علامہ زمخشری مصنف تفسیر کشاف، علامہ شیخ احمد صاوی مصنف تفسیر صاوی علی الجلالین، مصنف تفسیر ابن کثیر، مصنف تفسیر روح البیان، علامہ سیوطی مصنف تفسیر جلالین، مصنف تفسیر شہاب علی بیضاوی اور علامہ الخطیب الشربنی مصنف السراج المنیر جماعت احمدیہ کی اس آیت کریمہ کی مندرجہ بالا تشریح سے مکمل طور پر اتفاق کرتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ مدعی نبوت کاذبہ جلد ہلاک ہوتا ہے اور اس کا سلسلہ کبھی ترقی نہیں کرتا۔ مفسرین نے اس آیت سے یہ بالکل صحیح استدلال کیا ہے کہ آنحضرتؐ باوجودیکہ اللہ کے ہاں سب سے اکرم ہیں۔ جب آپؐ کا یہ حال ہے تو کوئی دوسرا مفتری سزا سے کیونکر بچ سکتا ہے۔ ان علماء قدیم کے علاوہ مشہور مخالف احمدیت ثناء اللہ امرتسری صاحب مقدمہ تفسیر ثنائی میں لکھتے ہیں

"نظام عالم میں جہاں اور قوانین خداوندی ہیں یہ بھی ہے کہ کاذب

مدعی نبوت کی ترقی نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے"
"دعویٰ نبوت کاذبہ مثل زہر ہے۔ جو کوئی زہر کھائے ہلاک ہو گا"۔
اسی قرآنی معیار کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے ان الفاظ میں پیش کیا۔

"کیا تمہاری نظر میں کبھی کوئی ایسا مفتری گذرا ہے کہ جس نے خدا تعالیٰ پر افترا کر کے کہ وہ مجھ سے ہمکلام ہے پھر اس مدت مدید کی سلامتی کو پالیا ہو۔ افسوس کہ تم کچھ بھی نہیں سوچتے اور قرآن کریم کی ان آیتوں کو یاد نہیں کرتے جو خود نبی کریمؐ کی نسبت اللہ جلشانہ فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تو ایک ذرہ مجھ پر افترا کرتا تو میں تیری رگ جان کاٹ دیتا۔ پس نبی کریمؐ سے زیادہ تر کون عزیز ہے کہ جو اتنا بڑا افترا کر کے اب تک بچا رہے بلکہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں سے مالامال بھی ہو۔"

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶)

مصنف نے قرآن کریم جیسی محکم اور ہر شک و شبہ سے پاک کتاب کا معیار چھوڑ کر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی صداقت کے ثبوت میں وہ معجزات طلب کئے ہیں جو انبیائے سابقین نے دکھائے اور ان میں خاص طور پر مصنف نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیحؑ کے معجزات کا ذکر فرمایا ہے اور یہ تعلی کی ہے کہ مرزا صاحب باوجود دعویٰ مثیل مسیحؑ کے حضرت مسیحؑ جیسے معجزات نہیں دکھا سکے اور عاجز آ کر ان معجزات کا ہی انکار کر بیٹھے تھے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر نبی کو اپنے دور کے مطابق الگ الگ اعجازی قوتیں عطا کی گئی تھیں۔ حضرت موسیٰؑ کے دور میں جادوگری کی صنعت کو خاصا رواج حاصل تھا جو ظاہر ہے ایک قسم کی شعبدہ بازی یا مسمریزم ہوتا ہے چنانچہ اسی نسبت سے حضرت موسیٰؑ کو عصا کا معجزہ دیا گیا۔ اسی طرح حضرت مسیحؑ کے دور میں طبابت کو عروج حاصل تھا لہذا حضرت مسیح کو شفاء بے مثل کا معجزہ عطا ہوا' حضرت رسول کریمؐ کے دور میں فصاحت و بلاغت اس قدر ترقی پر تھی کہ عرب کے لوگ باقی تمام دنیا کو گونگا کہا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم جیسا بے مثل کلام حضورؐ کو عطا فرما کر تمام عرب اہل زبان کا منہ بند کر دیا۔ لبید ایک مشہور عرب شاعر تھا جس کی شاعری کی ہر طرف دھوم تھی۔ یہ شخص آخری عمر میں اسلام لے آیا تھا اور سورۃ بقرہ سے اتنا متاثر ہوا

کہ شاعری ترک کر دی' ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اسے بلایا اور پوچھا کہ تم اب شعر کیوں نہیں کہتے تو اس نے حیرانگی سے پوچھا کہ سورۃ بقرہ کے بعد میں شاعری کس طرح کر سکتا ہوں۔ یعنی اتنا عظیم کلام نازل ہو چکا ہے کہ اس کے سامنے ہماری فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی کی کوئی حیثیت ہی باقی نہیں رہی۔

اسی طرح جب جادوگروں کی رسیوں کا فریب موسیٰؑ کے عصا نے توڑ دیا تو وہ سمجھ گئے کہ یہ شخص جو ہمارے مسمریزم کا شکار نہیں ہوا یقیناً اپنے دعویٰ میں سچا اور صاحب کمال شخص ہے۔ چنانچہ پورے دربار میں صرف وہی جادوگر ایمان لائے اور یہ نہیں کہا کہ ہم موسیٰؑ کو اپنے سے بڑا جادوگر تسلیم کرتے ہیں بلکہ اپنے فریب نظر کی حقیقت کھلنے کے بعد انہوں نے کہا کہ ہم موسیٰؑ کے رب پر ایمان لاتے ہیں لیکن دربار میں موجود دوسرے اشخاص اور خود فرعون اس معجزے سے بالکل متاثر نہیں ہوئے۔

اسی طرح قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ انبیاءؑ کے مخالفین ان سے ان کی نبوت کے ثبوت میں معجزات طلب کرتے رہے ہیں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے ساتھ بھی وہی انبیاءؑ والا سلوک دہرایا گیا اور آپ کے مخالفین نے آپ سے اسی قسم کے معجزات کا مطالبہ کیا جس قسم کے معجزات ان کے بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دکھائے تھے یعنی پرندے تخلیق کرنا' مردے زندہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے جواب میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے فرمایا:

> "اس جگہ اول تو یہ جواب کافی ہے کہ جس مسیح کے مسلمان لوگ منتظر ہیں اس کی نسبت ہرگز احادیث میں نہیں لکھا کہ اس کے ہاتھ سے مردے زندہ ہوں گے بلکہ یہ لکھا ہے کہ اس کے دم سے زندے مریں گے۔ علاوہ اس کے خدائے تعالیٰ نے اسی غرض سے اس عاجز کو بھیجا ہے کہ تا روحانی طور پر مردے زندہ کیئے جائیں بہروں کے کان کھولے جائیں اور مجذوموں کو صاف کیا جائے اور وہ جو قبروں میں ہیں باہر نکالے جائیں اور نیز یہ بھی وجہ مماثلت ہے کہ جیسے مسیح بن مریم نے انجیل میں توریت کا صحیح خلاصہ اور مغز اصلی پیش کیا تھا اسی کام کے لیے یہ عاجز مامور ہے"۔

(ازالہ اوہام صفحہ ۳)

"پس واضح ہو کہ انجیل کو پڑھ کر دیکھ لو کہ یہی اعتراض ہمیشہ مسیح پر رہا کہ اس نے کوئی معجزہ تو دکھایا ہی نہیں یہ کیسا مسیح ہے۔ کیونکہ ایسا مردہ تو کوئی زندہ نہ ہوا کہ وہ بولتا اور اس جہان کا سب حال سناتا اور اپنے وارثوں کو نصیحت کرتا کہ میں تو دوزخ میں سے آیا ہوں تم جلد ایمان لے آؤ۔ اگر مسیح صاف طور پر یہودیوں کے باپ دادے زندہ کر کے دکھا دیتا اور ان سے گواہی دلواتا تو بھلا کس کو انکار کی مجال تھی۔ غرض پیغمبروں نے نشان تو دکھائے مگر پھر بھی بے ایمانوں سے مخفی رہے۔ ایسا ہی یہ عاجز بھی خالی نہیں آیا بلکہ مردوں کے زندہ ہونے کے لئے بہت سا آب حیات خداتعالیٰ نے اس عاجز کو بھی دیا ہے"۔

(ازالہ اوہام صفحہ ۱۸۴)

لیکن جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کردہ تاریخ انبیاء سے پتہ چلتا ہے کہ باوجود خارق عادت زندگی گذارنے کے مخالفین نے انبیاء پر ہمیشہ یہی الزام لگایا کہ اس نبی سے تو کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے مخالفین نے بھی آپ پر یہی الزام لگایا اور اب اسی مردہ گھوڑے کو زندہ کرنے کی ناکام و نامراد کوششوں میں جناب قریشی صاحب بھی شامل ہو گئے ہیں۔ قریشی صاحب کی مجبوری یہ ہے کہ ان کا کام صرف احمدیت کی مخالفت کرنا ہے۔ اگر انہیں دین اسلام کی حقیقی تعلیم سے کچھ مس ہوتا اور قرآنی علوم حاصل کرنے کا شوق ہوتا تو یہ اس طرح اندھا دھند اپنے پیشرو مخالفین کی تقلید نہ کرتے۔ میں اپنی طرف سے کچھ عرض کرنے کی بجائے کہ معجزہ کے بارے میں قرآنی تعلیم کیا ہے' قریشی صاحب کی خدمت میں انہی کے مسلک کے ایک مشہور اور مستند عالم دین سید سلیمان ندوی کی مشہور کتاب "سیرت النبی" سے چند حوالہ جات پیش کرتا ہوں۔ یہ حوالہ جات ندوی صاحب کی اس مشہور کتاب کی جلد سوم سے لیئے گئے ہیں جس میں تمام تر معجزہ کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب خاص طور پر دیوبندی اور اہلحدیث مسلک کے لوگوں میں بہت مقبول ہے اور ریفرنس کا درجہ رکھتی ہے۔

(الف) "لیکن نبوت کے ظاہری اور عامیانہ آثار و علامات یعنی خارق عادت معجزات صرف وہ فرقہ طلب کرتا ہے جس کے دل کی آنکھیں

اندھی ہوتی ہیں اور جو تعصب و عناد اور جہل کے باعث حق ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ چنانچہ انبیائے کرام پر ایمان لانے والوں کے حالات پر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ معجزات کی طلب نیکوکاروں نے نہیں کی۔ حضرت موسیٰ کو معجزہ بنی اسرائیل کے مقابلہ میں نہیں بلکہ فرعون کے مقابلہ میں دیا گیا۔ حضرت عیسیٰ سے ان کے حواریوں نے نہیں بلکہ یہودیوں نے معجزہ طلب کیا۔ آنحضرت صلعم سے ابوبکر و عمر نے نہیں بلکہ ابوجہل و ابولہب نے معجزہ مانگا۔ یہی حال دوسرے انبیاء کا بھی ہے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کی پوری تصریح کی ہے اور طلب معجزہ کے سوال کو ہمیشہ کفار کی طرف منسوب کیا ہے"

(صفحہ ۱۶۴)

اس محکم اصول قرآنی کو پیش کرنے کے بعد اور مختلف آیات قرآنی درج کرنے کے بعد قریشی صاحب اور ان کی قبیل کے لوگوں کے لیے ایک نصیحت تحریر کی ہے

(ب) "ان کو چاہیے کہ نبوت کے اصلی آثار و علامات کی طرف توجہ کریں کہ سعادت مند دلوں کی تسلی انہیں سے ممکن ہے"

(صفحہ ۱۶۵)

(ج) "اس بناء پر اگر ہر معاند کے سوال پر پیغمبر معجزہ ہی دکھاتا رہے تو یہ تسلسل تو شاید کبھی ختم نہ ہو اور پیغمبر کی زندگی صرف ایک تماشہ گر کی حیثیت اختیار کرے۔ اس لئے ظاہری معجزہ طلب کرنے والوں کو دائمی اور مسلسل معجزہ کی طرف ملتفت ہونے کی تاکید ہوتی ہے"۔

(صفحہ ۱۶۶)

مصنف نے قرآن مجید کی آیات کا غلط مطلب لیتے ہوئے یہ نظریہ ظاہر کیا ہے کہ حضرت مسیحؑ سچ مچ مردے زندہ کیا کرتے تھے اور مٹی کی چڑیاں بنا کر ان میں پھونک مارتے تھے تو وہ پرواز کرنے لگ جاتی تھیں۔ یہ دونوں عقیدے قرآن مجید کی محکم آیات کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ وہ تمام لوگ جن کو خدا کے سوا پوجا جاتا ہے (اور مسیحؑ بھی ان میں شامل ہیں) اگر سب اکٹھے ہو جائیں تو ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔ پھر اسی قرآن مجید میں یہ عقیدہ کس طرح مانا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیحؑ پرندے بنایا کرتے

تھے۔ اگر انہوں نے پرندے بنائے تھے اور اس طرح خالقیت میں خدا کے شریک ہو گئے تھے تو اب وہ پرندے کہاں گئے۔ دراصل پرندے یا کسی بھی جاندار کی تخلیق کرنا کسی انسان کا نہیں بلکہ خدا کا کام ہے اور اگر سچ مچ مسیحؑ نے ایسا کام کیا ہے تو پھر عیسائی انہیں خدا ماننے میں حق بجانب ہیں۔ خود مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۲ کے آخری پیراگراف میں لکھا ہے۔

"مثلاً مٹی سے پرندہ بنا کر اس کو پھونک مار کر اڑا دینا یا مردے زندہ کر دینا یہ ایسے معجزات ہیں کہ انہیں دکھانے کے بعد ہمارے ملک میں تو کوئی خدائی کا دعویٰ کر دے تو گمان غالب یہ ہے کہ لوگ اس کے دعویٰ خدائی کو بھی تسلیم کر لیں گے۔ لیکن حیرت ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰؑ کے دعویٰ رسالت کو بھی قبول نہ کیا بلکہ بزعم خود انہیں مصلوب کر دیا"

اس سلسلے میں غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن مجید تو مسیحؑ کو ایک بشر رسول کے طور پر پیش کرتا ہے اور ان میں کسی قسم کے الوہیت کے پہلو سے انکار کرتا ہے لیکن انجیل تو انہیں خدا کے طور پر پیش کرتی ہے اس کے باوجود انجیل میں ان سے اس قسم کی تخلیقی صلاحیتیں منسوب نہیں کی گئیں جو بقول مصنف خدائی کے دعویٰ کی ایک زبردست دلیل ہیں۔ اگر مسلمانوں کا قرآن مجید کی آیات سے یہ استنباط سچا ہوتا کہ حضرت مسیحؑ بھی خدا کی طرح خالق ہیں تو انجیل اس قدرت کو ضرور پیش کرتی۔ لیکن انجیل میں مسیحؑ کی اس خدائی صفت کا کوئی ذکر نہیں۔

جہاں تک مردے زندہ کرنے کا تعلق ہے اس بارے میں قرآن مجید کی واضح اور محکم تعلیم موجود ہے کہ جو ایک دفعہ موت کا مزا چکھ لے گا وہ قیامت کے دن سے پہلے زندہ نہیں ہو گا۔

"اور ہر ایک بستی جسے ہم نے ہلاک کر دیا ہے اس کے لئے یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ اس کے بسنے والے لوٹ کر اس دنیا میں نہیں آئیں گے"

(سورہ الانبیاء آیت نمبر۹۶)

"ان کے پیچھے ایک پردہ ہے اس دن تک کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں

گے"

(سورہ المومنون آیت نمبر۱۰۱)

قرآن مجید کی اس واضح تعلیم کی تصدیق مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے

"رسول کریمؐ نے فرمایا کہ حضرت جابرؓ کے والد عبداللہؓ جب شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ مانگو جو کچھ مانگنا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میری تو یہ خواہش ہے کہ مجھے زندہ کیا جائے اور میں پھر رسول اکرمؐ کے ساتھ مل کر جہاد کروں اور پھر تیری راہ میں شہید ہوں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر شہید ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر میں نے اپنی ذات کی قسم نہ کھائی ہوتی تو میں تجھے زندہ کر دیتا مگر چونکہ میں نے عہد کر لیا ہے کہ میں ایسا نہیں کروں گا اس لئے ایسا نہیں کروں گا"۔

(ترمذی کتاب التفسیر فی تفسیر سورہ آل عمران و ابن ماجہ باب)
(فیما انکرت الجہمیۃ و مشکوٰۃ ابواب جامع المناقب)

حیرت کی بات یہ ہے کہ جب مسیحؑ کی نسبت احی الموتیٰ کے الفاظ پڑھتے ہیں تو حقیقی مردے زندہ کرنا مراد لیتے ہیں لیکن جب اسی قرآن مجید میں رسول کریمؐ کی نسبت یہ پڑھتے ہیں کہ

"اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی بات قبول کر لیا کرو جب ان میں سے کوئی تم کو بلائے تاکہ تم کو زندہ کرے"

(سورہ انفال آیت نمبر۲۵)

تو اس احیاء سے مراد روحانی زندگی لیتے ہیں۔ جب احیاء کے معنی روحانی زندگی کے بھی ہوتے ہیں اور جبکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مردے زندہ نہیں کر سکتا اور جبکہ اس دنیا میں مردے زندہ کر کے اللہ تعالیٰ بھی نہیں بھیجتا تو پھر کیوں مسیحؑ کے متعلق بھی احیاء موتی کے وہ معنی نہیں لیتے جو کلام الٰہی کے مطابق ہوں اور جن سے شرک نہ پیدا ہوتا ہو۔

حضرت بانی جماعت احمدیہ کی حضرت مسیحؑ کی چڑیوں کے متعلق جو مختلف تحریریں مصنف نے پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ انہوں نے مختلف مواقع پر اس بارے میں مختلف موقف اختیار کیے' دراصل وہ مختلف لوگوں کو اس بارے میں سمجھانے کی

کوششیں ہیں۔ یہ محکم عقیدہ رکھنے کے بعد کہ جاندار کی تخلیق صرف خدا کی صفت ہے اور کوئی فرد بھی خدا کا اس صفت میں شریک نہیں، حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کی مختلف پہلوؤں سے تشریح فرمائی ہے اور ہر ذہن کے لوگوں کو ان کے ذوق کے مطابق سمجھاتے ہوئے تمام امکانی پہلو ان کے سامنے واضح کر دیئے ہیں لیکن اس مشرکانہ عقیدے کی ہر جگہ نفی فرمائی ہے کہ حضرت مسیحؑ پرندوں کے خالق تھے۔ چنانچہ آپ ازالہ اوہام حاشیہ در صفحہ ۳۰۶ میں فرماتے ہیں۔

"اب جاننا چاہیے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح کا معجزہ حضرت سلیمان کے معجزہ کی طرح صاف عقلی تھا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ ان دنوں میں ایسے امور کی طرف لوگوں کے خیالات جھکے ہوئے تھے کہ جو شعبدہ بازی کی قسم میں سے اور دراصل بے سود اور عوام کو فریفتہ کرنیوالے تھے۔ وہ لوگ جو فرعون کے وقت میں مصر سے ایسے ایسے کام کرتے تھے جو سانپ بنا کر دکھلا دیتے تھے اور کئی قسم کے جانور طیار کر کے ان کو زندہ جانور کی طرح چلا دیتے تھے وہ حضرت مسیح کے وقت میں عام طور پر یہودیوں کے ملکوں میں پھیل گئے تھے اور یہودیوں نے ان کے بہت سے ساحرانہ کام سیکھ لئے تھے جیسا کہ قرآن کریم بھی اس بات کا شاہد ہے۔ سو کچھ تعصب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دے دی ہو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا کسی پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے یا اگر پرواز نہیں تو پیروں سے چلتا ہو کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ بڑھئی کا کام درحقیقت ایک ایسا کام ہے جس میں کلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں عقل تیز ہو جاتی ہے اور جیسے انسان میں قویٰ موجود ہوں انہیں کے موافق اعجاز کے طور پر بھی مدد ملتی ہے جیسے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی قویٰ جو دقائق اور معارف

تک پہنچنے میں نہایت تیز و قوی تھے سو انہیں کے موافق قرآن شریف کا معجزہ دیا گیا جو جامع جمیع دقائق و معارف الٰہیہ ہے۔ پس اس سے کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت مسیحؑ نے اپنے دادا سلیمان کی طرح اس وقت کے مخالفین کو یہ عقلی معجزہ دکھلایا ہو اور ایسا معجزہ دکھلانا عقل سے بعید بھی نہیں کیونکہ حال کے زمانہ میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ اکثر صناع ایسی چڑیاں بنا لیتے ہیں کہ وہ بولتی بھی ہیں اور ہلتی بھی ہیں اور دم بھی ہلاتی ہیں اور میں نے سنا ہے کہ بعض چڑیاں کل کے ذریعے پرواز بھی کرتی ہیں۔ بمبئی اور کلکتہ میں ایسے کھلونے بہت بنتے ہیں اور یورپ اور امریکہ کے ملکوں میں بکثرت ہیں اور ہر سال نئے نئے نکلتے آتے ہیں اور چونکہ قرآن شریف اکثر استعارات سے بھرا ہوا ہے اس لئے ان آیات کے روحانی طور پر یہ معنی بھی کر سکتے ہیں کہ مٹی کی چڑیوں سے مراد وہ امی اور نادان لوگ ہیں جن کو حضرت عیسیٰ نے اپنا رفیق بنایا گویا اپنی صحبت میں لے کر پرندوں کی صورت کا خاکہ کھینچا پھر ہدایت کی روح ان میں پھونک دی جس سے وہ پرواز کرنے لگے۔

ماسوا اس کے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ایسے ایسے اعجاز طریق عمل الترب یعنی مسمریزی طریق سے بطور لہو و لعب نہ بطور حقیقت ظہور میں آ سکیں کیونکہ عمل الترب میں جس کو زمانہ حال میں مسمریزم کہتے ہیں' ایسے ایسے عجائبات ہیں کہ اس میں پوری پوری مشق کرنے والے اپنی روح کی گرمی دوسری چیزوں پر ڈال کر ان چیزوں کو زندہ کے موافق کر دکھاتے ہیں۔ انسان کی روح میں کچھ ایسی خاصیت ہے کہ وہ اپنی زندگی کی گرمی ایک جماد پر جو بالکل بے جان ہے ڈال سکتی ہے تب جماد سے وہ بعض حرکات صادر ہوتی ہیں جو زندوں سے صادر ہوا کرتی ہیں۔ راقم رسالہ ہذا نے اس علم کے بعض مشق کرنے والوں کو دیکھا ہے جو انہوں نے ایک لکڑی کی تپائی پر ہاتھ رکھ کر ایسا اپنی حیوانی روح سے اسے گرم کیا کہ اس نے

چارپایوں کی طرح حرکت کرنا شروع کر دیا اور کتنے آدمی گھوڑے کی طرح اس پر سوار ہوئے اور اس کی تیزی اور حرکت میں کچھ کمی نہ ہوئی۔ سو یقینی طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اگر ایک شخص اس فن میں کامل مشق رکھنے والا مٹی کا ایک پرندہ بنا کر اس کو پرواز کرتا ہوا بھی دکھا دے تو کچھ بعید نہیں کیونکہ کچھ اندازہ نہیں کیا گیا کہ اس فن کے کمال کی کہاں تک انتہا ہے اور جبکہ ہم بچشم خود دیکھتے ہیں کہ اس فن کے ذریعے سے ایک جماد میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ جانداروں کی طرح چلنے لگتا ہے تو پھر اگر اس میں پرواز بھی ہو تو بعید کیا ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا جانور جو مٹی یا لکڑی وغیرہ سے بنایا جاوے اور عمل الترب سے اپنی روح کی گرمی اس کو پہنچائی جاوے وہ درحقیقت زندہ نہیں ہوتا بلکہ بدستور بے جان اور جماد ہوتا ہے۔ صرف عامل کی روح کی گرمی بارود کی طرح اس کو جنبش میں لاتی ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان پرندوں کا پرواز کرنا قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ ان کا ہلنا اور جنبش کرنا بھی پایہ ثبوت نہیں پہنچتا اور نہ درحقیقت ان کا زندہ ہو جانا ثابت ہوتا ہے"۔

جب اس بنیادی عقیدے کو ہی آپ نے خلاف قرآن قرار دیدیا تو آپ سے اس قسم کے معجزہ کا مطالبہ ہی درست نہیں۔ مصنف نے آئینہ کمالات اسلام کی ایک عبارت پیش کر کے اور ایک فقرہ کو خط کشیدہ کر کے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ کا ابتداء میں حضرت مسیحؑ کی چڑیوں کے متعلق وہی عقیدہ تھا جو آج تک عامۃ المسلمین کا ہے یعنی یہ کہ حضرت مسیحؑ مٹی سے پرندے تخلیق کر کے اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ زندہ ہو جاتے ہیں۔ یہاں پر مصنف نے بڑی دیدہ دلیری سے دھوکا دینے کی کوشش کی ہے اور ایک فقرہ کو خط کشیدہ کر کے اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کی ہے اور اس سے اگلے ہی فقرے کو جس سے حضرت بانی جماعت احمدیہ کا اصل عقیدہ ظاہر ہو رہا ہے، ویسے ہی چھوڑ دیا ہے۔

حضرت بانی جماعت احمدیہ نے فرمایا ہے کہ باوجودیکہ معجزہ کے طور پر ان کا پرواز قرآن

کریم سے ثابت ہے مگر پھر بھی مٹی کی مٹی کے ہی تھے اور کہیں خداتعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ وہ زندہ بھی ہو گئیں۔ اس تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان پرندوں میں جان پڑنے اور حقیقی پرندوں کی طرح ان کی پرواز کے حضرت بانی جماعت احمدیہ کبھی بھی قائل نہ تھے۔

اپنی کتاب میں مصنف نے یہ اعتراض بھی اٹھایا ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک حضرت مسیحؑ کے نزول پر ایمان ہماری ایمانیات کا کوئی جزو یا ہمارے دین کے بنیادی ارکان میں سے کوئی رکن نہیں' یہ عبارت انہوں نے ازالہ اوہام سے نقل کی ہے اور اپنی عادت کے مطابق اس عبارت کا مضمون سے تعلق ظاہر کئے بغیر کہ یہ بات کس سیاق و سباق میں کہی گئی ہے اس سے ایک نتیجہ اپنے طور پر اخذ کر کے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر اعتراض جڑ دیا ہے۔

کتاب ازالہ اوہام کے جس صفحہ پر یہ عبارت ہے اس سے پہلے "ہمارا مذہب" کے عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہو رہا ہے جس کا یہ عبارت ایک حصہ ہے۔ اس مضمون میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اسلام کے بنیادی ارکان پر اپنا کامل ایمان ظاہر کیا اور پھر ان کی روشنی میں یہ اصول سمجھا رہے ہیں کہ پیشگوئیوں کو ظاہری رنگ میں لینے سے بہت مشکلات پڑتی ہیں۔ چنانچہ اسی ضمن میں حضور دمشق کے قریب نزول مسیحؑ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دمشق کے قریب نزول مسیح کا عقیدہ ہمارے ایمانیات میں تو داخل نہیں کہ اس کی تاویل نہ کی جا سکے۔ حضور فرماتے ہیں

> "ہم نے جو رسالہ فتح اسلام اور توضیح مرام میں اس اپنے کشفی و الہامی امر کو شائع کیا ہے کہ مسیح موعود سے مراد یہی عاجز ہے میں نے سنا ہے کہ بعض ہمارے علماء اس پر بہت افروختہ ہوئے اور انہوں نے اس بیان کو ایسی بدعات میں سے سمجھ لیا ہے کہ جو خارج اجماع اور برخلاف عقیدہ متفق علیہا کے ہوئی ہیں۔ حالانکہ ایسا کرنے میں ان کی بڑی غلطی ہے۔ اول تو یہ جاننا چاہیے کہ مسیحؑ کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہماری ایمانیات کی کوئی جزو یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو بلکہ صدہا پیشگوئیوں میں سے یہ ایک پیشگوئی ہے جس کو حقیقت اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں جس زمانہ تک یہ پیشگوئی بیان نہیں کی گئی تھی اس زمانہ تک اسلام کچھ ناقص

نہیں تھا اور جب بیان کی گئی تو اس سے اسلام کچھ کامل نہیں ہو گیا
اور پیشگوئیوں کے بارے میں یہ ضروری نہیں کہ وہ ضرور اپنی
ظاہری صورت میں ہی پوری ہوں"۔

مندرجہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضور علماء امت کو یہ بات سمجھا رہے ہیں کہ نزول مسیحؑ کی پیشگوئی اور اس کے الفاظ بنیادی ارکان دین کی طرح نہیں ہیں جن کی تاویل نہ ہو سکے۔ حضور نے جو دعویٰ مسیح موعود ہونے کا کیا اس پر علماء نے اعتراض کیا کہ مسیح موعود تو دمشق کے مشرق سمت ایک منارہ کے پاس اترے گا۔ چنانچہ حضور علماء کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ یہ نزول مسیحؑ کی پیشگوئی ایسی قطعی حیثیت نہیں رکھتی کہ جس انداز سے پیشگوئی کی گئی ہے بعینہٖ انہی الفاظ میں پوری ہو بلکہ وہ کسی اور رنگ میں بھی پوری ہو سکتی ہے مصنف کا ادھوری عبارت پیش کر کے یہ نتیجہ نکالنا کہ ابتداء میں حضرت بانی جماعت احمدیہ بہرے سے نزول مسیحؑ کے منکر تھے ایک دھوکہ اور غلط بیانی ہے۔ خاکسار مزید عرض کرتا ہے کہ رسول کریمؐ نے اپنی وفات سے قبل یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ میری بیویوں میں سے مجھے سب سے پہلے وہ ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہو گا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد ہم لکڑی لے کر اپنے اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں لیکن جب حضرت زینبؓ بنت جحش جن کا جسمانی ہاتھ دیگر ازدواج مطہراتؓ کے مقابلے میں کم لمبا تھا' کے تمام ازواجؓ مطہرات میں سے سب سے پہلے فوت ہونے پر وہ سمجھ گئیں کہ ہاتھ لمبا ہونے سے حضورؐ کی مراد زیادہ صدقہ و خیرات کرنے والی بیوی تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت زینبؓ بنت جحش بہت زیادہ صدقہ و خیرات کیا کرتی تھیں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی ایک اور عبارت پیش کر کے مصنف نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ نے حضرت مسیحؑ کی معجزانہ پیدائش سے اپنی مماثلت ثابت کی ہے۔ ازالہ اوہام کی جو عبارت مصنف نے پیش کی ہے اس کو نہ سمجھنے کے باعث' کیونکہ مصنف عالم دین نہیں ہیں' مصنف نے اس عبارت کے مفہوم کو عجیب و غریب قرار دیا ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں

"سو یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والا ابن مریم یہی ہے جس نے عیسیٰ
ابن مریم کی طرح اپنے زمانہ میں کسی ایسے شیخ والد روحانی کو نہ پایا جو
اس کی روحانی پیدائش کا موجب ٹھہرتا۔"

اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ روحانیت میں میں کسی کا شاگرد نہیں۔ کوئی شخص میرا مرشد نہیں جس نے مجھے راہ سلوک و طریقت سکھائی ہو۔ کیونکہ بزرگان دین کا یہ عقیدہ ہے کہ روحانی ترقی کے لئے شیخ کا ہونا لازمی ہے جو مرید کو اعلیٰ مدارج تک پہنچائے جیسا کہ میاں محمد بخشؒ صاحب نے فرمایا ہے

"بنا مرشداں راہ نہ ہتھ آوندی بنا دودھ نہ رجھدی کھیر میاں"

یعنی جس طرح دودھ کے بغیر کھیر نہیں پک سکتی اسی طرح مرشد کے بغیر راہ ہدایت نہیں مل سکتی اس مرشد کو مرید کی روحانی پیدائش کا باعث ہونے کے سبب روحانی والد کہا جاتا ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا یہ دعویٰ ہے جو تاریخی حقیقت پر مبنی ہے کہ میں روحانیت میں کسی مرشد کا مرید نہیں اور نہ ہی میں سلاسل اربعہ یعنی طریقت کے چاروں سلسلوں چشتیہ' قادریہ سہروردیہ اور نقشبندیہ میں سے کسی میں داخل ہوں تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی روحانی والد یا شیخ کے بغیر میں نے جو روحانیت کا اعلیٰ مقام حاصل کیا ہے اس سے مجھے عیسیٰ" ابن مریم سے مماثلت حاصل ہو گئی ہے جس کو کوئی ایسا روحانی والد نہیں ملا جو اس کی روحانی پیدائش کا موجب ٹھہرتا۔ مصنف کا اس بارے میں اعتراض نہایت بودا اور مضحکہ خیز ہے کہ کروڑوں لوگ جو سلاسل اربعہ میں داخل نہیں ہوئے عیسیٰ ابن مریم کیوں نہیں بن گئے۔ حضرت رسول کریمؐ ان پڑھ تھے اور یہ ان کی امتیازی شان ہے کہ ان پڑھ ہونے کے باوجود ایسی تاثل اور پر حکمت تعلیم دنیا کو دے گئے۔ اب کیا مصنف انؐ پر بھی اعتراض کریں گے کہ تمام دنیا کے ان پڑھ لوگ نبی اور پھر خاتم النبین کیوں نہیں بن جاتے۔ اصل بات یہ ہے کہ

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

اسی عبارت کے ایک فقرے "کیونکہ اس نے مخلوق میں سے اپنی روحانی والدہ کا منہ تو دیکھا" کا مذاق اڑاتے ہوئے مصنف نے احمدیوں سے دریافت کیا ہے کہ اس روحانی والدہ کا نام کیا ہے۔ اس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ آپ کا اس کوچے میں جب گذر ہی نہیں تو آپ کیا جانیں کہ روحانی والد اور روحانی والدہ کیا ہوتے ہیں اور کون ہوتے ہیں۔ آپ کی ذہنی پرواز تو اس سے زیادہ بھی اوپر نہیں جا سکتی کہ صرف سلاسل اربعہ میں داخل نہ ہونے کے باعث کوئی شخص مسیحیت کے مقام پر کیسے فائز ہو سکتا ہے۔ ہمیں بہرحال اس روحانی والدہ کا نام معلوم ہے۔

اس جگہ کہیں یہ شبہ نہ پڑ جائے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کسی بھی قسم کے معجزے پر ایمان نہیں رکھتے تھے یا خود آپ کی ذات سے کسی قسم کے معجزے کا ظہور نہیں ہوا۔ حضرت بانی جماعت احمدیہ معجزات کے بارے میں قرآنی نظریہ کے قائل تھے اور اپنی تمام زندگی میں ہزاروں لاکھوں نشانات اور خارق عادات واقعات آپ کی ذات سے ظہور پذیر ہوئے۔ نفس مضمون کا چونکہ اس سے براہ راست تعلق نہیں لہذا میں اس ذکر کو یہاں چھوڑتا ہوں اور قارئین کو آپ کی حیات طیبہ کے مطالعے کا مشورہ دیتا ہوں۔

خلاصہ کلام

اس عنوان کے تحت مصنف لکھتا ہے

"مندرجہ بالا بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں تین گروہ ہیں"

حلانکہ یہ بات کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں تین گروہ ہیں مندرجہ بالا بحث سے واضح نہیں ہوئی کیونکہ گروہوں کی تعداد تو سرے سے زیر بحث ہی نہیں آئی۔ جو بات واضح ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ مصنف نے اٹکل پچو سے کام لے کر احمدیت کو خلاف اسلام ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مصنف کے نزدیک احادیث کا منکر گروہ بھی مسلمان ہے یعنی وہ گروہ جو وفات مسیح کا قائل ہے اور احادیث میں جس مسیح کا ذکر ہے اس کے نزول کا منکر ہے اور ایسی احادیث کو ناقابل اعتبار قرار دیتا ہے مصنف کے نزدیک اور مصنف کے تائید کنندہ جناب قاسم قاسمی صاحب کے نزدیک مسلمان ہے۔

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی!

مصنف کا یہ الزام بھی خلاف حقیقت ہے کہ احمدیوں نے تمام مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا ہے۔ جماعت احمدیہ ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھتی ہے لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ حضرت رسول کریمؐ کی اس حدیث مبارکہ پر بھی ایمان رکھتی ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے والا مسلمان خود کافر ہو جاتا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جماعت احمدیہ نے تکفیر المسلمین میں پہل نہیں کی بلکہ علماء نے احمدیوں کو کافر قرار دے کر خود کو حضرت رسول کریمؐ کی مندرجہ بالا حدیث کا مصداق بنا لیا ہے۔

قادیانیت کی بنیاد

اس عنوان کے تحت مصنف لکھتا ہے کہ احمدیت کی بنیاد وفات مسیحؑ پر ہے اور اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ فوت نہیں ہوئے بلکہ قبل از قیامت بنفس نفس دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو قادیانیت کی ساری عمارت چشم زدن میں زمین بوس ہو جاتی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ خواب دیکھتے دیکھتے آپ کے کئی پیشرو گذر گئے لیکن اس کی تعبیر آج تک آپ کے سامنے نہیں آئی اور نہ انشاء اللہ کبھی آئے گی۔ اگر کچھ ہوا ہے تو وہ یہ کہ آپ ہی کی صفوں میں سے مسلمان کہلانے والے لوگ احمدیوں کے دلائل سے عاجز آکر وفات مسیح کا اقرار کر کے سرے سے ہی قرب قیامت میں نزول مسیحؑ کے منکر ہو گئے ہیں۔ پہلے آپ ان کو حیات مسیحؑ پر قائل کریں پھر ہماری طرف رخ کریں۔

مصنف نے یہ بڑبھی ہانکی ہے کہ عقیدہ ختم نبوت مسلمانوں میں اس قدر راسخ تھا اور ہے کہ اس میں نقب لگانے والے کو اس امت نے کبھی برداشت نہیں کیا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ بڑے بڑے آئمہ تلبیس بھی چند دن کی تحریک کے بعد قعر ذلت میں گر گئے۔

مصنف نے بہت اچھا کیا کہ احمدیت کے حق میں تاریخی شہادت خود ہی فراہم کر دی۔ یقیناً جھوٹے مدعیان نبوت جلد ہی اپنے انجام کو پہنچ جاتے رہے اور آئندہ بھی جھوٹے مدعی کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہو گا لیکن کیا جماعت احمدیہ کے سو برس پکارپکار کر اس بات کی گواہی نہیں دے رہے کہ یہ جماعت حق پر ہے۔ مخالفین نے ہر محاذ پر ہمیں شکست دینے اور صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی اور اس سعی نامسعود میں حکومتی طاقتیں بھی ان کا ساتھ دیتی رہیں جس میں قیام پاکستان سے قبل کی پنجاب کی انگریزی حکومت بھی شامل تھی جس نے ۱۹۳۴ء میں جماعت احمدیہ کو تو جلسہ کرنے کی اجازت نہ دی لیکن عین قادیان میں جماعت احرار کو جلسہ کرنے کی اجازت دے دی جو اس عزم سے آئے تھے کہ آج قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا کر جائیں گے لیکن قرآنی آیت "**کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی**" کے تحت ہر موقعہ پر جماعت احمدیہ ہی فاتح بن کر ابھری اور اس کے مخالفین کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ مصنف کو یہ بات بھی دھیان میں رکھنی چاہیے کہ موجودہ جماعت احمدیہ کے افراد اسی امت مسلمہ کی وہ سعید فطرت روحیں ہیں جنھوں نے امام وقت کو شناخت کر کے اس کی آواز پر لبیک کہا اور شیطان کی حکومت کو مٹا کر مصطفیٰؐ کے دین کو پوری دنیا پر غالب کرنے کے لئے تن من دھن سے جدوجہد کر رہے ہیں۔

اسی عبارت میں مصنف نے طنزیہ طور پر حضرت بانی جماعت احمدیہ کو دور حاضر کے

پروپیگنڈہ سسٹم کا امام کہا ہے۔ درحقیقت قرآن مجید میں اس بات کی خبر موجود ہے کہ امام مہدی کے دور میں کتب و رسائل کی بہت اشاعت ہو گی جس سے امام مہدی بھی فائدہ اٹھائیں گے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

"واذاالصحف نشرت"

یعنی صحائف و رسائل دور دراز کے علاقوں تک پہنچ جایا کریں گے۔

مصنف کی اس بات کو میں پہلے ہی غلط ثابت کر چکا ہوں کہ کوئی بھی احمدی ایسا نہیں جس نے حضرت بانی جماعت احمدیہ کی کسی کتاب کو مکمل طور پر پڑھا ہو لیکن اس عبارت میں مصنف نے اپنی بات کے غلط ہونے کی بنیادیں خود ہی فراہم کر دی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں "وہ صرف "الفضل" پڑھتے ہیں یا ان کے اجتماعات میں مرزا صاحب کی کسی کتاب کا کوئی حصہ سنا دیا جاتا ہے یا اب وہ ڈش انٹینا پر اپنے خلیفہ کا خطبہ سنتے ہیں۔"

یہ تینوں ذرائع ایسے ہیں جن میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی مختلف تصانیف کے مضامین بار بار پیش کئے جاتے ہیں اور جماعت احمدیہ کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی کتب کے تمام مضامین سے اچھی طرح واقفیت ہو چکی ہے لہٰذا مصنف کی یہ بات ان کی اپنی شہادت کے تحت ہی غلط قرار پا گئی۔

مسئلہ زمان و مکان

حضرت عیسیٰ کا رفع اور دو ہزار سال سے ان کا زندہ آسمان پر بیٹھا ہونا ثابت کرنے کے لئے مصنف نے مسئلہ زمان و مکان کی بحث شروع کی ہے اور دعویٰ یہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب بھی اپنی حکمت بالغہ سے چاہتا ہے اپنے کسی بندے کو اس سے اثر پذیر نہیں ہونے دیتا۔ یعنی وہ تمام طبعی قوانین جو اس نے اس کائنات کو چلانے کے لئے قائم کر رکھے ہیں انہیں ساقط کر دیتا ہے۔ اپنے اس دعویٰ کی تائید میں مصنف نے حضرت سلیمان کے درباری کا ملکہ سبا کا تخت لانے کا واقعہ، حضرت جبرائیل کا وحی لانا اور حضرت رسول کریمؐ کا معراج کا واقعہ بطور استدلال پیش کیا ہے۔

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ زمان و مکان اور اس پر عمل پذیر قوانین کے بارے میں خود مصنف کو صحیح طور پر علم نہیں اور نہ ہی ان کو اس بارے میں قرآن مجید سے کوئی واضح شہادت ملی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی برگزیدہ شخص کے لئے طبعی قوانین کچھ دیر کے لئے ساقط کر دیتا ہے۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارا نظام شمسی ایک معین اور مقدر ضابطہ کے تحت چل رہا ہے جس میں اس قدر توازن ہے کہ کوئی بھی سیارہ اپنے سے آگے چلنے والے یا پیچھے آنے والے سیارے سے نہیں ٹکراتا اور ہر کوئی اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ اس زمین کے گرد جو کرہ ہوائی کا جال بچھا دیا گیا ہے اس میں سے کسی انسان یا جن کا بغیر کسی (سلطان) کے باہر نکلنا ممکن نہیں۔ یعنی انسان اگر یہ چاہے کہ اپنے آپ بلند ہو کر کرہ ہوائی سے باہر نکل جائے تو ایسا ہونا ممکن نہیں۔ ہاں یہ اشارہ اللہ تعالیٰ نے ضرور فرما دیا کہ اگر اس فزیکل قوت کا توڑ تمہارے پاس موجود ہے جسے خدا نے سلطان کے نام سے یاد کیا ہے جس کے ذریعے اس قوت پر غلبہ حاصل ہو جائے جو انسان کو اس کرہ ہوائی سے باہر نکلنے سے روک رہی ہے تب ایسا ممکن ہے کہ وہ زمین سے باہر نکل جائے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ موجودہ دور میں راکٹ کے ذریعے انسان اس قابل ہو گیا ہے کہ کرہ ارضی کی قید سے باہر نکل کر خلاء کی وسعتوں میں پھر سکے اور دوسرے سیاروں پر قدم رکھ سکے۔

اب جہاں تک مسئلہ ہے اس بات کا کہ کیا خود خدا بھی ایسا کر سکتا ہے یا نہیں کہ کسی انسان کو زندہ سلامت زمین سے بلند کر کے آسمان پر لے جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ وہ کسی قانون کے ماتحت نہیں مگر وہ اپنے ہی بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی بھی نہیں کرتا اور کوئی ایسا قانون نہیں بناتا جسے اس کو خود ہی بعد میں توڑنا پڑے کیونکہ وہ عالم الغیب ہے۔ سورہ الاعراف کی آیت نمبر ۲۶ میں اللہ تعالیٰ نے یہ قانون مذکور فرمایا ہے۔ اس کا سیاق و سباق یہ ہے کہ اس سے پہلی اور بعد کی آیات میں اولاد آدم سے خطاب ہے اور مندرجہ ذیل قانون اولاد آدم کے لئے بنا کر اس کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

> "فرمایا" اسی زمین میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی میں سے تم نکالے جاؤ گے"

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی انسان اس زمین سے باہر نہیں جا سکتا اور نہ آسمان پر جا سکتا ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چلے گئے ہیں تو یا تو یہ آیت نعوذ باللہ من ذالک غلط ہے یا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسان نہیں تھے۔

اس جگہ اس شبہ کا ازالہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ کنواری لڑکی کے بطن سے بچہ

پیدا ہونا بھی تو قانون فطرت کے خلاف نظر آتا ہے۔ پھر مسیح ابن مریم کی معجزانہ پیدائش کے سلسلے میں خدا نے یہ قانون کیوں توڑا۔ جدید میڈیکل سائنس کے ظاہر ہونے سے پہلے تو یہ اعتراض واقعی وزن رکھتا تھا اس لئے کہ کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ عورتوں میں پیدائشی طور پر زنانہ جرثوموں کے ساتھ ساتھ مردانہ جرثومے بھی پائے جاتے ہیں جو محض اتفاق کے طور پر (اگرچہ ایسا اتفاق بہت کم رونما ہوتا ہے) زنانہ جرثوموں کے ساتھ مل کر ایک کنواری لڑکی کو حاملہ کر دیتے ہیں۔ لیکن موجودہ ترقی یافتہ دور میں ایسا اعتراض معترض کی کم علمی اور جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ پاکستان میں بھی ایک ایسا اتفاق رونما ہو چکا ہے۔ پیام شاہجہان پوری صاحب اپنی کتاب "مسیح کا سفر زندگی" کے صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں۔

> "لاہور کے ممتاز گائناکالوجسٹ پروفیسر ڈاکٹر سلیم اختر کے ہسپتال "شادمان ہاؤس" میں حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ سے ایک لڑکی لائی گئی جس کے پیٹ میں سخت تکلیف تھی اور پیٹ بڑھا ہوا تھا۔ ایکسرے کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ لڑکی تو حاملہ ہے۔ آخر آپریشن کیا گیا اور بچہ پیدا ہوا جو ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ اس کے سر پر بال بھی موجود تھے۔ یہ وسط مارچ ۱۹۹۱ء کا واقعہ ہے۔ اس بچے کو راقم الحروف نے ڈاکٹر سلیم اختر کی لیبارٹری میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔
>
> ڈاکٹر سلیم اختر صرف ماہر گائناکالوجسٹ ہی نہیں بلکہ دین دار شخص ہیں اور انسانی تخلیق کے موضوع پر ایک کتابچے کے بھی مصنف ہیں جن میں قرآنی آیات سے استدلال کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف اور ان کے قابل و تجربہ کار عملے نے ہر پہلو سے اور مکمل طور پر اس لڑکی کے ٹیسٹ لیئے، لڑکی بالکل کنواری تھی، اس کے باوجود حاملہ ہوئی اور اس کے بچہ پیدا ہوا جو اگرچہ ابھی مکمل نہیں ہو پایا تھا۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ دنیا میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں اگرچہ کروڑوں میں ایک کہ جب کسی ایسی کنواری کے بطن سے بچہ پیدا ہوا جسے کسی مرد نے چھوا تک نہیں تھا۔ گویا ثابت ہو گیا کہ کسی پاکباز کنواری عورت کے بچہ پیدا ہو جانا قانون قدرت کے خلاف نہیں البتہ نادرالوجود ضرور ہے۔ یعنی ایسا واقعہ کہیں صدیوں میں پیش

آتا ہے۔ پس حضرت مریمؑ کا بغیر مرد کے حاملہ ہو جانا نہ اللہ تعالیٰ کی سنت کے خلاف ہے نہ خلاف عقل ہے"۔

اس مثال اور وضاحت سے یہ ثابت ہو گیا کہ مسیح علیہ السلام کی پیدائش نہ قانون فطرت کے خلاف ہے نہ عقل کے خلاف اور نہ ہی سنت اللہ کے خلاف۔ اللہ تعالیٰ بھی مسیح کی پیدائش کو کوئی انوکھا اور اپنی نوعیت کا واحد واقعہ قرار نہیں دیتا۔ سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۴۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم

یعنی عیسیٰ کی مثال خدا کے نزدیک آدم کی طرح ہے۔ گویا جس طرح آدم کی تخلیق قانون ارتقاء کے تحت ہوئی اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی قانون قدرت سے باہر نہیں بلکہ اس کے عین مطابق ہے۔

بائبل کے مطابق بھی طوفان نوح کے بعد خدا بہت پچھتایا کہ میں نے تمام مخلوق کو غرق کر کے اچھا نہیں کیا۔ اب آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ لیکن قرآن مجید جس خدا کا تصور پیش کرتا ہے وہ نہایت حکیم اور عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ وہ جو کام بھی کرتا ہے ایسا مکمل، بے عیب اور پر حکمت کرتا ہے کہ اس کی خلاف ورزی کرنے یا اسے توڑنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ اس کی شہادت خود قرآن مجید سے ملتی ہے۔ جب خدا نے یہ اصول وضع کر دیا کہ کوئی بھی بشر کرہ ارضی سے باہر بغیر کسی سائنٹفک ذریعہ کے نہیں جا سکتا تو اس اصول کی پاسداری اس نے خود بھی پوری طرح کی۔

اس کائنات کے برگزیدہ ترین اور عظیم ترین انسان ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگر کبھی قوانین ارض و سماوی کسی کے لئے معطل ہو سکتے تو وہ صرف اور صرف اسی مقدس ہستی کے لئے ہو سکتے تھے لیکن سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی نفی فرما دی۔ کافروں کے منجملہ دیگر مطالبات کے اس مطالبہ کے جواب میں کہ محمدؐ اگر سچے رسول ہیں تو ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسولؐ ان سے کہہ دیجئے کہ میرا رب ایسی باتوں سے پاک ہے اور کیا میں ایک بشر رسول کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟

یہ آیت کریمہ واضح طور پر بتا رہی ہے کہ نہ صرف یہ کہ معراج نبوی ایک لطیف قسم کا کشف تھا اور حضورؐ جسمانی طور پر اوپر تشریف نہیں لے گئے تھے کیونکہ جسمانی بلندی کی

نفی اس آیت میں ہو رہی ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ نبی اکرمؐ سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کسی کو جسمانی طور پر اوپر نہیں لے گیا۔ جیسا کہ "سبحان ربی" کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے۔

مصنف نے یہ بیان کیا ہے کہ وقت کی قید کا تعلق صرف اسی زمین سے ہے اور اسی سانس میں یہ بھی فرما دیا کہ حضرت سلیمانؑ کے درباری کا سفروقت کی قید سے آزاد تھا۔ گویا یہ واقعہ اس زمین پر رونما نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس کے برعکس جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ یہ واقعہ نہ صرف یہ کہ اسی زمین پر رونما ہوا تھا بلکہ اس صاحب علم درباری کا سفر بھی وقت کی قید سے آزاد نہیں تھا۔ مصنف کو دھوکا صرف **"قبل ان یرتد الیک طرفک"** کے الفاظ سے لگا ہے جس کا مطلب ہے آنکھ جھپکنے سے پہلے۔ اصل میں مصنف کا تعلق اس قبیلہ سے لگتا ہے جس کے نزدیک جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے اور وہ ہر جائز و ناجائز ذرائع اختیار کرتے ہوئے زبان و بیان کے تمام اصول و ضوابط کو پس پشت ڈالتے ہوئے احمدیت کو نیچا دکھانے کی فکر میں ہیں۔

اہل زبان اچھی طرح جانتے ہیں کہ پلک جھپکنے کا محاورہ مختلف زبانوں میں رائج ہے اور یہ جلدی پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ اس کے لفظی معنی ہرگز نہیں لئے جا سکتے۔ چنانچہ قرآن کریم سے ہرگز ثابت نہیں کہ اس اہل علم درباری کو نور سے زیادہ رفتار کی قوت عطا کی گئی تھی۔ ایسا ہوتا تو خدا تعالیٰ اس فعل کو اپنی طرف منسوب کرتا جیسا کہ جنگ بدر میں کنکریاں مارنے کے عمل کو اللہ تعالیٰ نے رسول کریمؐ کی بجائے اپنی طرف منسوب کیا حالانکہ بظاہر ہاتھ محمدؐ رسول اللہ کا چل رہا تھا۔ خدا تعالیٰ تو یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ کام اس شخص نے قلیل ترین مدت میں اپنے علم کے زور سے کیا تھا لیکن مصنف اس فعل کو مافوق الفطرت بناتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ کام جو خدا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے روا نہ رکھا وہ ایک درباری کے لئے کر دکھایا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

حضرت جبرائیل کی مثال اس پوری بحث سے مکمل طور پر لاتعلق ہے کیونکہ نہ تو ان کا زمین سے تعلق ہے اور نہ وہ انسان ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی ایک ایسی قدرت کاملہ کا ظہور ہیں جن پر قطعی دوسرے قوانین کا اطلاق ہوتا ہے نہ کہ قوانین ارضی کا۔ باقی جہاں تک معراج کا تعلق ہے وہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔

حضرت نوحؑ کی نوسو پچاس سالہ عمر سے بھی مراد ان کی جسمانی زندگی نہیں بلکہ ان کا

دور نبوت ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے کہ

"وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِیْمَ"

(سورہ الصافات۔ آیت ۸۴)

یعنی نوحؑ کا دور نبوت اس قدر لمبا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ بھی ان کی امت میں شامل تھے۔ دوسری طرف اللہ تعالٰی نے سورہ انبیاء آیت نمبر۹ میں یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ہم نے رسولوں کو ایسا جسم نہیں دیا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ غیر معمولی لمبی عمر پانے والے لوگ تھے۔ جب خدا تعالٰی نے یہ ارشاد فرما دیا کہ انبیاء کی عمر غیر معمولی لمبی نہیں ہوتی اور دوسری طرف نوح کی عمر ۹۵۰ سال بیان کر کے ابراہیمؑ کو بھی ان کی امت میں شامل قرار دیا جاتا ہے تو لامحالہ اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کا دور نبوت نوسوپچاس سال تک لمبا تھا نہ کہ ان کی طبعی عمر۔

مصنف نے "حضرت مسیحؑ" کی غیر معمولی لمبی زندگی کے ثبوت میں اصحاب کہف کا قصہ بھی بیان کیا ہے اور قرآنی آیات سے یہ استنباط کرنے کی کوشش کی ہے کہ گویا وہ سات نوجوان تھے جو تین سو سال تک ایک غار میں پڑے سوتے رہے۔ مجھے افسوس اس بات پر ہے کہ مصنف نے اگر نام نہاد تحقیق کا بیڑا اٹھایا ہی تھا تو ان کے لئے زیادہ بہتر تھا کہ قرآنی علوم اور واقعات پر جدید انداز میں تحقیق کرتے اور پرانے مفسرین جو کچھ بیان کر گئے ہیں اس علمی اور تحقیقی کام کو آگے بڑھاتے اور جدید علوم کے ذریعے قرآن مجید میں موجود واقعات کو ثابت کر کے اس کی حقانیت لوگوں پر واضح کرتے۔ لیکن وہ گویا اس بات پر مطمئن ہو بیٹھے ہیں کہ اج سے ہزار سال پیشتر مفسرین جو کچھ بیان کر گئے ہیں وہ حرف آخر ہے اور قرآن مجید کے علوم کے گہرے سمندر میں سے جتنے موتی نکل سکتے تھے وہ اب نکل چکے ہیں اور اس سلسلے میں مزید تحقیقی کام نہیں ہو سکتا۔ اگر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ یہ کہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے الٰہی سلسلہ کی مخالفت کی جائے۔ اس جملہ معترضہ کے بعد عرض کرتا ہوں کہ قرآن مجید اسی بات کی تو نفی کر رہا ہے کہ وہ نہ سات تھے نہ پانچ نہ نو بلکہ ان کی صحیح تعداد خدا کو ہی معلوم ہے لیکن ہمارے مسلمان بھائی اس بات پر بضد ہیں کہ وہ سات آدمی ہی تھے اور آٹھواں ان کا کتا یا نو آدمی تھے اور دسواں کتا۔

بہرحال اصحاب کہف کی اصل حقیقت یہ ہے' جو کہ اب جدید تحقیق کے ذریعے پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے' کہ اصحاب کہف دراصل ابتدائی مسیحی تھے جو رومیوں اور یہودیوں کے

مظالم سے بچنے کے لئے مختلف جگہوں پر غار بنا کر چھپا کرتے تھے اور امن کے زمانہ میں باہر آ جایا کرتے تھے۔ بنجمن اسکاٹ نامی ایک محقق نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام تھا "کیٹا کو مبز ایٹ روم"۔ اس کتاب کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیحی ابتدائی زمانہ میں مشرک نہ تھے اور اس کا ثبوت اس نے یہ پیش کیا ہے کہ روم کے پاس ایسے غار ملے ہیں جن میں ابتدائی زمانہ میں مسیحی لوگ رومی حکومت کے ظلم سے بچنے کے لئے چھپ جایا کرتے تھے۔ وہاں بہت سے کتبے پائے گئے ہیں جن میں اس وقت کے حالات ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع عیسائیت میں شرک کا نام نہ تھا اور وہ لوگ مسیح علیہ السلام کو صرف ایک نجات دہندہ نبی سمجھتے تھے۔ ظلم اس کتاب کے مطابق صدیوں تک ہوتا رہا۔ آخر تین سو سال بعد جب روم کا بادشاہ عیسائی ہو گیا تو انہیں نجات ملی۔ انسائیکلوپیڈیا **برٹینیکا** میں بھی لکھا ہے کہ نیرو بادشاہ روم کے زمانہ میں مسیحیوں پر مجموعی طور پر بہت ظلم ہوتا تھا۔ اسی زمانے میں حضرت عیسیٰؑ کا حواری پطرس روم گیا اور وہیں مرا۔ تاریخ کلیسیا کے لفظ کے تحت بھی انسائیکلو پیڈیا **برٹینیکا** میں لکھا ہے کہ ۲۵۰ء تک عیسائیوں کے خلاف قوانین پاس ہوتے رہے۔

ابتدائی مسیحیوں کے یہ کیٹا کومبز یا Caves جو عربی لفظ کہف کی ہی بگڑی ہوئی شکل ہے، روم میں، مصر کے شہر اسکندریہ میں، سسلی میں، مالٹا میں اور نیپلز میں دریافت ہو چکے ہیں۔

ان تاریخی شواہد سے جو قرآن کریم کے موقف کی تائید کرتے ہیں اور جو مدت قرآن کریم نے بیان کی ہے یعنی تین سو سال بعینہ یہی مدت ان تاریخی شواہد سے ملتی ہے یعنی ۳۱۱ء میں روم کے بادشاہ قسطنطین اعظم نے مسیحی دین قبول کر لیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چند اشخاص کا نام اصحاب کہف نہیں تھا بلکہ قرآن کریم نے اجمالی طور پر پوری مسیحی موحد قوم کا ذکر کیا ہے جو تین سو سال تک غاروں میں چھپی رہی۔ لہٰذا یہ ثابت ہو گیا کہ اصحاب کہف سے مراد کوئی مخصوص افراد نہیں تھے جو تین سو سال تک زندہ رہے۔

اب میں دوسری مثال کی طرف آتا ہوں جو مصنف نے قرآن مجید ہی سے دی ہے اور اس کی بنیاد بھی وہی غلط عقیدہ ہے کہ خدا جب چاہے کسی بندے سے زمان و مکان کے قوانین ساقط کر سکتا ہے۔ مصنف سے ایسی غلطی کبھی نہ ہوتی اگر انہوں نے رسول کریمؐ کی ذات اقدس کو معیار بنایا ہوتا کہ اگر زمان و مکان کے قوانین ساقط ہوتے تو انؐ کے لئے

ہوتے جنؐ کی خاطر افلاک کی تخلیق ہوئی اور جس کو وہ مقام ملا جس کی پیروی کی خواہش انبیاء کرتے رہے کہ ہمیں اس محبوبؐ کی امت کا ایک فرد بنا دیجئے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کا واقعہ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی کتاب "نشر الطیب فی ذکر حبیب" میں کیا ہے۔

مصنف نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۹ کا حوالہ دیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

> "یا اس طرح کا کوئی شخص جو ایک ایسی بستی کے پاس سے گذرا جو اپنی چھتوں کے بل گری ہوئی تھی۔ اس شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو اس کی ویرانی کے بعد کب دوبارہ آباد کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے سو برس تک مارے رکھا پھر اسے اٹھایا اور پھر پوچھا کہ تو کتنی دیر اس حالت میں رہا۔ اس نے جواب دیا کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ بلکہ سو برس تک۔ تو اپنے کھانے پینے کی چیزوں کی طرف دیکھ کہ وہ ابھی گلی سڑی نہیں۔"

مصنف نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر خدا چاہے تو کھانا بھی سو برس تک محفوظ رہ سکتا ہے۔ گویا اگر باقی نہیں رہ سکتے تو نعوذ باللہ ذالک محمد رسول اللہ نہیں رہ سکتے۔ جن کے بارے میں یہ عذر کر لیا جاتا ہے کہ وہ تو صرف ایک بشر رسول ہیں۔ ویسے بھی آج کل کے سائنٹفک دور میں کھانا تو کیا ہر چیز جو کولڈ سٹوریج میں پڑی ہو لمبے عرصے تک محفوظ رہ سکتی ہے۔

بہرحال مصنف نے جو ترجمہ کیا ہے وہ اسی آیت کے مختلف ٹکڑوں سے غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ آیت کریمہ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ نبی کا سوال بستی کے متعلق تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا۔ ورنہ ان کے سامنے کئی لوگ مرے ہوں گے مگر ان کے متعلق کبھی ان کے ذہن میں یہ سوال نہیں پیدا ہوا کہ یہ کیسے زندہ ہوں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انی جس کا مطلب کب تک اور کیسے دونوں ہے کا جواب 'سو سال تک' دے کے یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ سوال کیسے کا نہیں بلکہ مدت کا تھا کہ یہ بستی جو اجڑ گئی ہے کب زندہ ہو گی یعنی کب دوبارہ آباد ہو گی۔ اس طرح یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ سوال اگر مردے زندہ کرنے کا ہی تھا تو خود سوال کرنے والے کو مارنے کی کیا ضرورت تھی۔ بستی کے

ہی کسی مردے کو زندہ کر کے دکھا دیا جاتا۔

دراصل یہ سارا واقعہ ایک خواب یا کشفی نظارہ تھا۔ عام طور پر اس بستی سے مراد یروشلم لیا جاتا ہے اور سوال کرنے والے شخص سے حضرت عزیرؑ یا حزقیل نبی مراد لیئے جاتے ہیں۔ بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ۵۸۶ قبل مسیح میں حملہ کر کے یروشلم کو تباہ کر دیا تھا اور یہودیوں کو گرفتار کر کے بابل لے گیا تھا۔ تب بنی اسرائیل اور یروشلم کی بربادی دیکھ کر اس وقت کے اسرائیلی نبی نے اسی رنگ میں خدا سے سوال کیا جس رنگ میں ایک دوسری جگہ یعنی سورہ بقرہ آیت ۲۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے ہاتھوں تنگ آئے ہوئے مومنوں کا اللہ سے سوال بیان کیا ہے کہ وہ پکار اٹھے کہ

متٰی نَصرُاللّٰہ

یعنی اللہ کی مدد کب آئے گی۔ پس اس اسرائیلی نبی نے بھی اپنی اور اپنی قوم کی حالت زار اور ارض مقدس کی تباہی دیکھ کر مغموم دل سے خدا سے یہ سوال کیا کہ یہ بستی اب کب آباد ہو گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں خواب میں نظارہ دکھایا اور یہ بتا دیا کہ سو سال کے عرصے میں یہ بستی دوبارہ آباد ہو جائے گی چنانچہ ۵۱۹ قبل مسیح میں یروشلم کی دوبارہ بنیاد رکھی گئی اور تیس سال تک اس کی تعمیر ہوتی رہی جس کے بعد ۴۸۹ قبل مسیح میں یروشلم پوری طرح آباد ہو گیا۔ پس یہ درمیانی عرصہ تقریباً سو سال (۹۸ برس) تھا جو خدائی کلام کی صداقت ثابت کرتا ہے۔

مصنف نے اصحاب کہف اور اسرائیلی نبی کی مثال دے کر یہ فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہو تو وہ حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کو ہزاروں سال بھی محفوظ رکھ سکتا ہے لیکن مصنف نے یہ واضح نہیں کیا نہ اس باب میں اور نہ اس کتاب کے کسی اور حصے میں کہ آخر وہ حکمت بالغہ ہے کیا۔ آخر یہی عذر یہودیوں کا بھی تو ہے کہ خدا اگر چاہے تو ایلیا کو ہزاروں برس تک محفوظ رکھ سکتا ہے اس لئے مسیحؑ سے پہلے ایلیا کا زندہ آسمان سے اترنا ضروری ہے لیکن اس کے جواب میں مسیحؑ نے یوحنا کو ان کے سامنے پیش کر دیا کہ ایلیا جو آنے والا تھا یہ وہی ہے چاہو تو مانو۔ اس جواب کو ظاہر ہے یہودیوں نے آج تک نہیں مانا اور وہ ابھی بھی ایلیا کے انتظار میں ہیں۔ دیکھیں کسی "النعل بالنعل" والی مشابہت آپ کی یہودیوں کے ساتھ ثابت ہو رہی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کون تھے

اس عنوان کے تحت قرآنی آیات اور انجیل سے حضرت عیسیٰؑ کا تعارف کرانے کے

بعد مصنف نے یہ بالکل صحیح اور درست استنباط کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے اور جب تک وہ دنیا میں رہے انہوں نے اپنے خطاب کو صرف بنی اسرائیل تک محدود رکھا اور اگر وہ دنیا میں اب تک موجود رہتے تو بھی صرف بنی اسرائیل سے خطاب فرماتے۔ یہاں تک پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ چلو کسی بات میں تو مصنف نے حق کو پہچان کر درست استدلال فرمایا ہے لیکن اگلے ہی لمحے میری یہ ساری خوشی کافور ہو گئی جب مصنف نے برملا یہ اعلان کیا کہ حضرت عیسیٰ کی بعثت ثانیہ کا تعلق امت مسلمہ سے نہیں ہے اور ان کا خطاب تب بھی یعنی دور بعثت ثانیہ میں بھی صرف اور صرف بنی اسرائیل سے ہو گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ وہ عیسائی پادریوں سے یہ دریافت کریں گے جس کام کو میں نے اپنے لئے حرام سمجھا تم نے اپنے لئے کس طرح حلال کر لیا۔

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

یہ وہ جدید ترین نظریہ ہے جو احمدیت کی مخالفت میں اندھے ہو کر مصنف نے اپنے دل سے گھڑا ہے اور جس کی سند قرآن و حدیث سے یا علماء و بزرگان سلف کے کسی قول سے نہیں ملتی بلکہ یہ نظریہ احادیث کی ساری عمارت کو ڈھا دینے کے مترادف ہے جن کے مطابق عیسیٰ ابن مریم کو "**امامکم منکم**" فرما کر امت مسلمہ میں سے قرار دیا گیا ہے۔ اس نظریہ سے اصل بات ظاہر ہو گئی ہے یعنی بلی تھیلے سے باہر آگئی ہے اور جس بات کو میں نے ابتداء میں شک کی حیثیت سے پیش کیا تھا وہ اب یقین میں بدل گئی ہے اور وہ یہ کہ مصنف منکرین حدیث کے گروہ میں شامل ہے اور اپنے پیشروؤں کی جماعت احمدیہ کے خلاف تمام علمی محاذوں پر شکست کے بعد ایک نیا پینترا بدلا ہے اور احادیث میں بیان کردہ مسیح موعود کے وجود مسعود سے انکار کر کے ایک نیا عیسیٰ ابن مریم تخلیق کر لیا ہے جو آخری زمانے میں صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے آئے گا۔ اس عقیدے سے جسے ایک عالم دین کی تائید بھی حاصل ہے' مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

1۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ اب قیامت تک تمام انسانوں کے لئے ذریعہ ہدایت و نجات صرف اسلام ہے اور وہ نبی جس کے فیض روحانی کے چشمے سے قیامت تک تمام انسان سیراب ہوتے رہیں گے وہ صرف اور صرف محمد رسول اللہ ہیں۔ کیا بنی اسرائیل

اس اصول سے باہر ہیں؟۔ اگر باہر ہیں تو قرآن مجید کی کس آیت کریمہ کی رو سے؟۔ حدیث سے میں اس لئے ثبوت نہیں مانگتا کہ آپ تو حدیث کو مانتے ہی نہیں۔

۲۔ آپ کے عقیدے کے مطابق خاتم النبین کا مطلب آخری نبی ہے۔ جب اس لحاظ سے حضرت رسول کریمؐ آخری نبی ٹھہرے تو حضرت عیسیٰؑ اپنی نبوت لے کر کس طرح آسکتے ہیں اور یہود کو اپنے اوپر ایمان لانے کی تلقین کس طرح کر سکتے ہیں؟ اس طرح تو آخری نبی حضرت عیسیٰؑ ٹھہرے۔

۳۔ اگر آپ یہ کہیں کہ حضرت عیسیٰؑ یہود کو حضرت محمدؐ رسول اللہ کی رسالت پر ایمان لانے کے لئے کہیں گے تو پھر ہندوؤں میں کرشن کا' بدھ مذہب والوں میں بدھ کا' پارسیوں میں زرتشت کا نزول بھی ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنے اپنے ماننے والوں کو اسلام قبول کرنے کے لئے کہیں۔

۴۔ یہود یا بنی اسرائیل جن کو قرآن مجید "**مغضوب علیھم**" قرار دے چکا ہے سے اس طرح کا غیر معمولی ترجیحی سلوک کیوں اور ہم جو خیر امت ہیں سے یہ سوتیلے پن کا سلوک کیوں کہ ان کی اصلاح کے لئے تو ایک نبی دو ہزار سال سے زندہ محفوظ کیا گیا ہو اور ہم میں سے کوئی نبی پیدا بھی نہ ہو۔

۵۔ اس بات کی نفی کیسے کی جا سکتی ہے کہ اب کی بار یہودی حضرت عیسیٰؑ کو پھر تسلیم نہیں کریں گے اور ایک بار پھر اپنے مفرور ملزم کو پکڑ کر دوبارہ صلیب دینے کی کوشش نہیں کریں گے؟ بلکہ غالب امکان یہ ہے کہ اب کی بار عیسائی بھی یہودیوں کی مدد کریں گے کیونکہ حضرت عیسیٰؑ ان کے موجودہ عقائد سے نفرت و بیزاری کا اظہار کریں گے جیسا کہ مصنف نے بھی لکھا ہے کہ یہودیوں کے بعد اگر انہوں نے کسی سے خطاب کیا تو زیادہ سے زیادہ عیسائی مبلغین کو ڈانٹ ڈپٹ کریں گے اور مسلمانوں کے تو شاید اس سلام کا بھی جواب نہ دیں جو حضرت محمدؐ رسول اللہ نے ان کی معرفت مسیحؑ مہدی کو بھجوایا ہوا ہے۔

کیا یہودیوں کی حضرت مسیحؑ کو قتل کرنے یا صلیب پر مارنے کی کوشش کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ایک بار پھر انہیں آسمان پر زندہ اٹھا لے گا؟

مصنف کو تو اس بات کی رعایت دی جا سکتی ہے کہ وہ ایک عالم دین ہرگز نہیں ہیں جیسا کہ مصنف کا خود بھی اقرار ہے اور جناب مجیب الرحمٰن شامی صاحب نے بھی اپنے دیباچہ "مسیحؑ سے مسیحؑ تک" میں مصنف کے متعلق مندرجہ ذیل الفاظ لکھے ہیں

"نور محمد قریشی صاحب مولوی ہیں نہ مفتی، پیر ہیں نہ "فقیر"۔ انہوں نے کسی دینی مدرسے سے کوئی سند فضیلت بھی حاصل نہیں کی، کسی دارالعلوم سے فراغت تو دور کی بات ہے اس میں ایک دن بھی نہیں گذارا"

لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ ان کا مبلغ علم جماعت احمدیہ اور بانی جماعت احمدیہ پر مخالفین کے اعتراضات کے مطالعہ تک محدود ہے اور اس میں جو نامکمل حوالہ جات پیش کئے گئے ہیں انہی کو بنیاد بنا کر مصنف نے یہ کتاب لکھ ماری ہے۔ مثلاً کلیں میں مسیح کے مرنے والا اعتراض منشی محمد یعقوب صاحب پٹیالوی کی کتاب عشرہ کاملہ میں بعینہٖ انہی الفاظ اور اسی انداز میں درج ہے جس طرح مصنف نے پیش کیا ہے۔ پٹیالوی صاحب نے بڑی تحدی کے ساتھ اپنی کتاب کو لاجواب قرار دے کر اس کے جواب دینے والے کے لئے ایک ہزار روپیہ کے انعام کا اعلان کیا تھا۔ اس کتاب کا جواب حضرت مولانا ابوالعطاء جالندھری صاحب نے "**تفہیمات ربانیہ**" کے نام سے دیا تھا اور پٹیالوی صاحب سے انعام کا مطالبہ بھی کیا تھا مگر وہ انعام دینے یا مزید کسی قسم کا جواب دینے سے راہ فرار اختیار کر گئے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ مصنف تو عدم مطالعہ و تدبر فی القرآن و حدیث اور دیگر علوم اسلامیہ کے باعث اس طرح کے غیر اسلامی اور لال **بجھکڑانہ** نظریات گھڑنے کے باوجود معذور قرار دیا جا سکتا ہے لیکن جناب محمد قاسم قاسمی صاحب کی عقل کو کیا ہو گیا ہے کہ احمدیت کی مخالفت میں ان تمام احادیث سے ہی انکار کر بیٹھے ہیں جنہیں ہر وقت اپنے جامعہ میں طالب علموں کو طوطے کی طرح رٹاتے رہتے ہیں۔ گویا

"اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"

یہودیوں کا حضرت عیسیٰؑ سے سلوک

مصنف نے اپنی طرف سے ایک نیا عنوان باندھا ہے اور اسے دیکھ کر یہ گمان گذرتا

ہے کہ واقعہ صلیب اور اس سے کچھ پہلے کے حالات کا ذکر ہونے لگا ہے لیکن مضمون پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شراب وہی پرانی ہے اگرچہ بوتلیں نئی ہیں۔ گھما پھرا کر ایک ہی بات کو باربار دہرایا جا رہا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے متعلق مختلف عقائد رکھنے والے کتنے گروہ ہیں اور ان کے عقائد کیا کیا ہیں جبکہ زیربحث صرف جماعت احمدیہ کے عقائد لائے جاتے ہیں۔ گویا

برق گرتی ہے تو بیچارے "احمدیوں" پر

تعداد شماری کرنے کے بعد اور سورہ مائدہ کی آیات نقل کرنے کے بعد، جن میں مسیحؑ کے قتل کی نفی اور رفع کا ذکر ہے، مصنف نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ اگر قادیانیوں کے نقطہ نظر کو تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر چڑھا تو دیئے گئے لیکن ان کو صلیب پر موت نہیں آئی تو اس کا مطلب یہی ہو گا کہ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کی گرفت میں تو آ گئے اور صلیب بھی دیدیئے گئے۔ اس کے بعد اس بات کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی کہ وہ صلیب پر فوت ہو گئے یا زندہ اتار لئے گئے جبکہ مذکورہ بالا آیات ثابت کر رہی ہیں کہ

۱۔ یا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی گرفت میں نہیں آنے دیا

۲۔ وہ صلیب نہیں دیئے گئے

۳۔ وہ قتل بھی نہیں کئے گئے

مصنف کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ کے صلیب دیئے جانے کے بعد اس بات کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی کہ وہ وہاں سے زندہ اترے یا فوت ہو کر۔ اس بات کو اگر نقلی معیار کی بجائے یعنی قرآن، حدیث اور انجیل وغیرہ کی شہادتوں اور تاریخی حقائق سے الگ کر کے صرف عقلی معیار پر ہی پرکھا جائے تو تب بھی غلط ثابت ہو جاتی ہے۔ ایک شخص جو پولیس کے نزدیک مطلوب ہو اور وہ اس کے ہاتھ نہ آئے اور مفرور ہو جائے تو اس کا یہ فرار اس شخص کی نسبت بہت کم اہمیت کا حامل ہو گا جو ظالموں کے ہاتھوں قید ہو اور پھر ان کی سخت قید سے فرار ہو جائے۔ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کی نفی کہیں نہیں ملتی کہ یہود نے رومی گورنر کو بھڑکا کر سرعام حضرت عیسیٰؑ پر مقدمہ چلایا تھا۔ اس مقدمے کے اگلے دن یہودیوں کی عید فسح تھی اور ان کا دستور تھا کہ اس دن ایک قیدی کو رہا کیا کرتے تھے۔ گورنر پیلاطوس نے اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہودیوں سے، جو ایک جم غفیر کی شکل میں وہاں موجود تھے، کہا کہ اس موقع پر یسوع یعنی حضرت عیسیٰؑ کو چھوڑ دیا جائے لیکن انہوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ دوسرے مجرم برابا کو چھوڑ دو اور یسوع

کو صلیب دو۔ چنانچہ مجبور ہو کر اس نے مسیحؑ کو صلیب پر لٹکانے کے احکامات جاری کر دیئے۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسیحؑ یہودیوں کی گرفت میں آ چکے تھے اور انہوں نے انہیں صلیب پر لٹکا بھی دیا تھا۔ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات میں خدا جس بات کی نفی کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت وہ یہودی حضرت عیسیٰؑ کو نہ صلیب کے ذریعے اور نہ کسی دوسری طرح قتل کر سکے۔ قتل تو اور اسرائیلی نبی بھی ہوئے تھے لیکن صلیب پر مارا جانا تورات کے نزدیک ایک لعنتی موت تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس لعنتی موت سے ان کو بچا لیا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے رفع کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا عربی اور قرآنی محاورہ میں معنی ہمیشہ بلندی، درجات اور عزت کے ہوتے ہیں۔ اگر اس آیت کریمہ میں مسیحؑ کے زندہ رہنے کا مضمون بیان ہوتا تو کھلی کھلی صاف بات یہ ہونی چاہیے تھی کہ یہود مسیحؑ کو قتل کرنے میں یقیناً ناکام ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ رکھا۔ ان تمام آیات میں ان کے ایک جگہ بھی زندہ رہنے کا ذکر نہ فرمانا معنے رکھتا ہے۔ پس خدا فرما ہی نہیں رہا کہ مسیحؑ کو ہم نے زندہ رکھا۔ رہا بل رفعہ اللہ سے آپ کا استنباط تو اول تو قتل کا برعکس رفع ہو ہی نہیں سکتا سوائے اس کے کہ درجات کی بلندی مراد لی جائے کیونکہ دنیا میں کوئی شخص اس بات کو ہرگز معقول نہیں سمجھے گا کہ فلاں شخص قتل نہیں ہوا لہٰذا آسمان پر چڑھ گیا۔

دوسرا قطعی استنباط اس امر سے یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہاں **بل رفعہ اللہ الی السماء** نہیں فرمایا بلکہ **بل رفعہ اللہ الیہ** فرمایا کر آپ کے استنباط کا سب تار و پود بکھیر دیا ہے۔ ایک ایسے روحانی وجود کی طرف، جو ہر جگہ موجود ہو جسمانی رفع ہو ہی نہیں سکتا۔ کیا آپ کے خیال میں خدا تعالیٰ وہاں موجود نہیں تھا جہاں حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ قرآن مجید تو فرماتا ہے **فاینما تولوا فثم وجہ اللہ** یعنی تم جدھر بھی مڑو گے ادھر ہی خدا کو پاؤ گے۔ ایک بدنصیب کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ **لوشئنا لرفعناہ بھا ولکنہ اخلد الی الارض** یعنی ہم چاہتے تو اسے عزت بخشتے لیکن وہ خود ہی زمین کی طرف جھک گیا۔ اب اس سے کیا یہ مراد لی جائے گی کہ خدا تعالیٰ تو اسے اٹھا کر آسمان پر لے جانا چاہتا تھا لیکن وہ زمین کی طرف جھک گیا۔

مصنف لکھتا ہے کہ بل رفعہ اللہ الیہ سے بلندی درجات مراد لینے سے اس سوال کا جواب نہیں بنتا کہ حضرت عیسیٰؑ اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے۔ اس کا جواب میں اوپر دے

آیا ہوں کہ اس سوال کا جواب یہ بھی نہیں بنتا کہ حضرت عیسیٰ ؑ کو خدا نے آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں تک بلندی درجات کا ذکر ہے تو اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں کے بلکہ تمام نیک بندوں کے درجات بلند کیے ہیں یہ حضرت عیسیٰ کی کوئی انوکھی خصوصیت نہیں تھی۔ گویا مصنف حضرت عیسیٰ کو کوئی ایسی انوکھی خصوصیت دینا چاہتا ہے جو ان کو دیگر تمام انبیاء بشمول افضل البشر خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ممتاز کر دے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۵۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"یہ وہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی تھی۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور بعض کے درجات بلند کیے"

مندرجہ بالا آیات صریح طور پر مصنف کی دلیل کو باطل ثابت کر رہی ہیں کہ بلندی درجات میں حضرت عیسیٰ کی کوئی انوکھی خصوصیت نہیں۔ اس آیت میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ ہیں "**رفع بعضھم درجات**" یعنی بعض کے درجات کا رفع کیا۔ اب دیکھیں کتنے واضح طریقے سے رفع کا مطلب بلندی درجات لیا گیا ہے۔ اگر مصنف صاحب مطالعہ قرآن مجید میں تقویٰ سے کام نہیں لے سکتے تو کم از کم عقل سے ہی کام لے لیا کریں۔

مندرجہ بالا تصریحات کے بعد ہم کو پورا حق پہنچتا ہے کہ ہم بل رفعہ اللہ الیہ سے مراد بلندی درجات لیں کیونکہ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے "اپنی طرف اٹھاؤں گا" جو رافعک الی کا لفظی ترجمہ ہے سے مراد بلندی درجات ہی لیا ہے۔

مصنف نے خارجی تائید کے طور پر انجیل لوقا باب ۲۴ آیت نمبر ۳۶ تا ۴۰ کا جو حوالہ درج کیا ہے وہ ان کے موقف کی بجائے جماعت احمدیہ کے موقف کی ہی تائید کرتا ہے۔ اس حوالے کے مطابق واقعہ صلیب کے بعد جب حضرت مسیح ؑ اپنے حواریوں کے سامنے ظاہر ہوئے تو پہلے تو وہ گھبرا گئے لیکن حضرت مسیح ؑ نے انہیں اپنے ہاتھ پاؤں دکھا کر انہیں تسلی دی کہ میں روح نہیں جیتا جاگتا انسان ہوں اور پھر ان کے ساتھ بیٹھ کر مچھلی کھائی۔

یہاں میں یہ واضح کر دوں کہ ہاتھ پاؤں دکھانے کا مقصد یہی تھا کہ دیکھو میں وہی مسیح ؑ ہوں جس کے ہاتھوں اور پاؤں پر کیلیں ٹھونک کر صلیب پر لٹکایا گیا تھا لیکن خدا نے میری سن لی اور مجھے زندہ سلامت صلیب سے اتار لیا۔ میری اس بات کی تصدیق انجیل یوحنا باب

۲۰ آیت ۲۴ تا ۲۸ سے ہوتی ہے۔ لوقا کا بیان کردہ مندرجہ بالا واقعہ جو مصنف نے اپنی کتاب میں پیش کیا ہے کے بعد یوحنا میں لکھا ہے

"اور تھوما ان بارہوں میں سے ایک جس کا لقب دوموس تھا یسوع کے آتے وقت ان کے ساتھ نہ تھا۔ تب اور شاگردوں نے اسے کہا کہ ہم نے خداوند کو دیکھا ہے پر اس نے انہیں کہا جب تک کہ میں اس کے ہاتھوں میں کیلوں کے نشان نہ دیکھوں اور کیلوں کے نشانوں میں اپنی انگلی نہ ڈالوں اور اپنے ہاتھ کو اس کے پہلو میں بھی نہ ڈالوں کچھ یقین نہ کروں گا۔ آٹھ روز کے بعد جب اس کے شاگرد پھر اندر تھے اور تھوما ان کے ساتھ تھا تو دروازہ بند ہوتے ہوئے یسوع آیا اور بیچ میں کھڑا ہو کے بولا تم پر سلام۔ پھر اس نے تھوما کو کہا کہ اپنی انگلی پاس لا اور میرے ہاتھوں کو دیکھ اور اپنا ہاتھ پاس لا اور اسے میرے پہلو میں ڈال اور بے ایمان مت ہو بلکہ ایمان لا۔"

اس حوالہ سے قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیحؑ صلیب ضرور دیئے گئے تھے لیکن زخمی اور زندہ حالت میں اتار لئے گئے تھے اور بعد میں اپنے زخموں کے نشان شاگردوں کو دکھاتے رہے۔

رسول کون ہوتے ہیں

اس عنوان کے تحت مصنف نے لکھا ہے

"اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے انہیں میں سے کسی کو منتخب کر کے مقام نبوت پر سرفراز فرما دیتا ہے تاکہ وہ اس کے بندوں کو صراط مستقیم کی طرف پھیر دیں۔"

بہت اچھی بات ہے جناب لیکن یہ فرمایئے کہ کیا ہم اللہ کے بندے نہیں کہ آج اتنی عظیم الشان گمراہی کے باوجود ہم میں کوئی نبی نہیں آ رہا جو ہمیں صراط مستقیم کی طرف پھیر دے۔ ایک نبی اگر زندہ آسمان پر بیٹھا ہی ہے تو اول تو وہ ہم میں سے ہی نہیں اور دوسرے آپ کے بقول اس کے مخاطب صرف اور صرف بنی اسرائیل ہیں۔ یا پھر نبی اس وجہ سے نہیں آ رہا کہ ہم پہلے ہی صراط مستقیم پر ہیں اور ٹھیک ٹھیک اسلامی شریعت پر عمل کر رہے

ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات حالات و واقعات کے بالکل خلاف ہیں۔

آگے چل کر مصنف نے بڑی عجیب بات لکھی ہے

"پھر ان منتخب بندوں (یعنی نبیوں۔ انصر) میں سے کسی کو رسول مقرر کر کے کسی خاص قوم پر اتمام حجت کا حکم دے دیتا ہے۔"

کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے
مگر ان کا کہا وہ آپ سمجھے یا خدا سمجھے

یہ ایک ایسی لایعنی بات ہے جس کا نہ کوئی سر پیر ہے اور نہ کوئی ثبوت۔ اتنا اختلاف تو علما میں رہا ہے کہ بعض اصحاب صرف نبی ہوتے ہیں اور بعض صرف رسول اور بعض علماء کے نزدیک نبی اور رسول ایک ہی عہدے کے دو پہلو اور دو نام ہیں لیکن یہ نظریہ کہ پہلے کچھ نبی بنائے جاتے ہیں جن کا کام لوگوں کو صرف صراط مستقیم پر لانا ہوتا ہے اور پھر ان نبیوں میں سے بعض کو رسول بنا کر کسی خاص قوم پر اتمام حجت کرنے کے لئے بھیج دیا جاتا ہے مصنف کا خود ساختہ اور بلاثبوت ہے مصنف نے سورہ مجادلہ کی آیت نمبر ۲۱ میں بیان کردہ جو محکم اصول پیش کیا ہے (کہ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب آئیں گے) اس کی رو سے اگر وہ اپنا اور جماعت احمدیہ کا مقابلہ کر لیتے اور غور تدبر سے کام لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ہزار مخالفتوں کے باوجود اور اس لحاظ سے بھی جیسا کہ مصنف نے خود لکھا ہے مادی لحاظ سے جماعت احمدیہ کا اور اس کے مخالفین کا کوئی مقابلہ ہی نہ تھا' جماعت احمدیہ آج تک نہ صرف زندہ سلامت ہے بلکہ روز افزوں ترقی پر ہے۔ جب بھی ہم پر کوئی ابتلا آیا ہے جن کی ابتداء ۱۹۳۴ء سے ہی ہو گئی تھی ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر دفعہ غالب رہے ہیں اور دشمن جتنی بڑی سے بڑی طاقت بھی لے کر آیا ہے ہمیشہ ناکام و نامراد ہی رہا ہے۔ پس کیا ابھی بھی آپ کی آنکھیں نہیں کھلیں کہ آپ کی غیر ملکی دولت' ظالمانہ قوانین اور آرڈیننس' حکومتی طاقتوں اور دیگر تمام ہتھکنڈوں کے مقابل پر ہمارا مددگار وہ قوت والا اور غلبہ والا اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنی طاقت کا ذکر آپ کی پیش کردہ اسی آیت کریمہ کے علاوہ قرآن مجید میں جابجا کیا ہے اور ہمیشہ مخالفین کے مقابلے میں جماعت احمدیہ کو فتح و نصرت عطا فرمائی ہے۔

حضرت عیسیٰ ؑ کے حالات

مصنف نے قرآن کریم سے رسولوں کے واقعات بیان کر کے ان سے یہ نتائج اخذ کئے

ہیں کہ جب کوئی رسول اپنی قوم پر اتمام حجت کر دیتا ہے اور پھر وہ قوم اس پر ایمان نہیں لاتی تو لازماً اس قوم پر عذاب نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک کر دیتا ہے۔ مصنف نے یہ نتائج حضرت عیسیٰؑ پر منطبق کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ چونکہ حضرت عیسیٰؑ نے یہود پر ابھی تک اتمام حجت نہیں کیا لہٰذا ان کی تکذیب کے باوجود ابھی تک یہودیوں پر وہ عذاب نہیں آیا جو قرآن کی رو سے مکذب قوم پر آیا کرتا ہے۔ مصنف کے نزدیک یہود کا دو ہزار سال دھکے کھانا عذاب نہیں بلکہ عذاب صرف یہ ہے کہ قوم ہلاک ہو جائے حالانکہ مارنے سے زیادہ گھسیٹنا بڑا عذاب ہوتا ہے۔

میں باربار عرض کر چکا ہوں کہ مصنف چونکہ عالم دین نہیں ہیں اور پھر احادیث کے بھی منکر ہیں لہٰذا احمدیت کے بطلان کے لئے ان کے پاس آ جا کر صرف ایک ہی ذریعہ رہ جاتا ہے اور وہ ہے ان کی عقل شریف۔ چونکہ ان کو قرآن و حدیث سے احمدیت کے ابطال کے لئے کوئی ٹھوس دلیل نہیں ملی اور چونکہ پرانے مخالفین اپنی سعی کر کے ناکام ہو چکے ہیں اور مصنف ان کی ناکامی سے اچھی طرح واقف ہیں لہٰذا ان تمام کاوشوں اور ذرائع کو کالعدم قرار دے کر انہوں نے اپنی عقل کے زور سے یہ جنگ جیتنے کی ٹھانی ہے۔ مصنف کا طریق یہ ہے کہ پہلے اپنی عقل سے ایک نظریہ معرض وجود میں لاتے ہیں اور پھر قرآن مجید کی آیات کو اس کے پیچھے لگانے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ ان کا وہی حال ہوتا ہے جو اس کوچوان کا ہوتا تھا جس نے آگے یکہ لگا کر گھوڑا پیچھے باندھ لیا تھا۔ میں مصنف کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ قرآن مجید اور بائبل دونوں کی رو سے حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل پر اتمام حجت کر کے انہیں ایک ایسے وجود کی خبر دے گئے تھے جو کامل سچائی اور معرفت کی راہ ان پر کھولے گا۔ چنانچہ قرآن مجید کی سورہ صف آیت نمبر۷ میں یہ بیان کیا گیا ہے

"اور جب عیسیٰ بن مریم نے اپنی قوم سے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں اللہ کی طرف سے تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہوں اور تورات جو تمہارے ہاتھوں میں ہے کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک ایسے رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہو گا۔ پھر جب وہ رسول دلائل لے کر آگیا تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا کھلا فریب ہے"

اسی طرح انجیل میں لکھا ہے

"میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر کیں لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا .... اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔

(یوحنا باب ۱۴ آیت ۲۵ تا ۳۱)

یہ بشارت واضح طور پر بتا رہی ہے کہ حضرت مسیحؑ نے اپنا جو پیغام یعنی دعوت حق بنی اسرائیل کو پہنچانا تھا وہ پہنچا دیا تھا۔ اس کے بعد وہ بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں یعنی ان بقایا دس قبائل کی طرف افغانستان اور کشمیر چلے گئے جو بادشاہ بخت نصر کے حملے کے بعد فلسطین اور شام سے تتر بتر ہو کر ان علاقوں میں آ بسے تھے۔

مصنف کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ تکذیب کی صورت میں حضرت عیسیٰؑ ابن مریم نے یہود کو کسی عذاب کی نوید نہیں سنائی۔ سورہ المائدہ آیت نمبر۷۹ میں لکھا ہے۔

"بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے ان پر داؤد اور عیسیٰؑ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی تھی۔ یہ اس وجہ سے ہوا تھا کہ انہوں نے نافرمانی کی تھی اور حد سے بڑھتے تھے"

لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل پر اتمام حجت کر چکے تھے اور کفر کی صورت میں ان پر لعنت بھی ڈال چکے تھے جس کا مزہ پچھلے دو ہزار سال سے وہ چکھ رہے تھے۔ اس عذاب کا ایک جدید مظہر ہٹلر کی صورت میں ان پر نازل ہوا تھا جس نے وسیع پیمانے پر یہودیوں کا قتل عام کیا تھا۔ چنانچہ اب اس اتمام حجت کے بعد حضرت مسیحؑ ناصری کبھی دوبارہ واپس تشریف نہیں لائیں گے مگر وہی جو یوحنا باب ۱۴ آیات ۲۵ تا ۳۱ کے مطابق ان کے نام پر آئے گا۔

یہود کو حضرت مسیحؑ کا انتظار

اس باب میں عہد نامہ قدیم میں سے ایک موعود نبی کے متعلق چند پیشگوئیاں درج کی گئی ہیں جو مصنف کے نزدیک حضرت مسیحؑ کے متعلق ہیں۔ عیسائیوں کا بھی یہی خیال ہے لیکن مسلمان علماء ان پیش گوئیوں سے خاص طور پر یسعیاہ باب نمبر۹ فقرہ نمبر۶ تا ۸ میں

درج پیشگوئی جس میں موعود کا نام عجیب مشیر خدائے قادر ابدیت کا باپ سلامتی کا شہزادہ رکھا گیا ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سمجھتے ہیں کیونکہ داؤد کے تخت پر ابد تک حکمرانی انہی کی شان ہے لیکن اس احمدیت کی دشمنی کو مصنف کہاں لے جائے جس کے باعث وہ اس پر بھی آمادہ ہو گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تاج اتار کر مسیحؑ کے سر پر رکھ دے۔

مصنف کے مطابق یہود کو جس مسیحؑ کا انتظار تھا وہ ایک عظیم الشان بادشاہ ہو گا جس کی سلطنت کے اقبال اور سلامتی کی انتہا نہ ہو گی لیکن جب حضرت عیسیٰؑ ان میں تشریف لائے تو انہوں نے ان تمام تصورات اور تعبیرات پر پانی پھیر دیا اور ایک مسکین اور درویش انسان کے روپ میں ظاہر ہوئے اور خدا کی بادشاہت کے ظاہری طور پر آنے کا انکار کر دیا۔ چنانچہ یہود سخت مایوس ہوئے اور انہوں نے ایسے شخص کو مسیح ماننے سے انکار کر دیا۔ مصنف اس غم میں یہودیوں کا برابر کا شریک ہے۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ کی ان تعبیرات کو جو انہوں نے خدا کی بادشاہت اور بنی اسرائیل کی ظاہری حکومت و سلطنت کے بارے میں کی تھیں کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے یہودیوں کی طرح عہد نامہ قدیم کی پیشگوئیوں کو بالکل ظاہری رنگ میں قبول کرتے ہوئے یہ ایمان و اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ مسیحؑ ناصری علیہ السلام جو اپنی پہلی آمد کے موقع پر ان تمام پیشگوئیوں اور خبروں کو تمثیلی قرار دے چکے ہیں اپنی آمد ثانی کے موقع پر ان کو بعینہ پورا کریں گے اور گویا اس بات کا اقرار کر لیں گے کہ ان خبروں کی بابت ان کی پہلی تاویلات بالکل غلط تھیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

حضرت عیسیٰؑ کی آمد ثانی کے بارے میں قرآن کی گواہی کے نام سے مصنف نے جو باب باندھا اور حضرت بانی جماعت احمدیہ پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کے متعلق میں بعد میں عرض کرتا ہوں پہلے اسی نظریئے کی بابت کچھ بات کر لوں۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے مصنف تورات کی مسیحؑ کے متعلق اور بنی اسرائیل کی تمام دنیا پر حکومت کے متعلق پیشگوئیوں کے بعینہ ظاہری طور پر پورا ہونے پر یقین رکھتا ہے اور اس کا ایمان ہے کہ اسرائیل کا قیام بھی خدائی وعدہ کے ماتحت ہے جو اس نے یہودیوں سے کیا تھا چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں کے خلاف جنگ کر کے ترکی نے برطانیہ کو مشرق وسطیٰ کے حصے بخرے کرنے اور اسرائیل کے قیام کا جواز مہیا کر دیا تھا اور یہ سب کچھ اللہ کی کسی بڑی سکیم کا حصہ ہے جو وہ تورات کی پیشگوئیوں کو

پورا کرنے کے لئے چلا رہا ہے۔ اسرائیل کے قیام سے اب تک یہودیوں نے جو فتوحات کی ہیں اور جو طاقت و قوت حاصل کی ہے مصنف اس سے تحسین آمیز انداز میں متاثر ہے۔ اسی طرح زبان کے مسئلہ کے حل پر بھی وہ یہودیوں کی تعریف میں رطب اللسان ہے اور مسلمانوں کو ڈراتا ہے کہ اسرائیل اب ایک ایسی طاقت بن چکا ہے جس کا عرب کیا پوری دنیا کے مسلمان بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اب داؤد کی وسیع سلطنت دوبارہ حاصل کرنے میں (جس میں حجاز مقدس کا علاقہ بھی شامل ہے) کسی یہودی فوجی یا سیاسی لیڈر کو کوئی رکاوٹ نہیں۔ اس سلسلے میں مصنف نے ایک یہودی ربی کے نظریات بھی پیش کئے ہیں۔ چنانچہ مصنف کے نزدیک عین ممکن ہے کہ کوئی بھی شخص یہودیوں میں سے اٹھ کر مسیح ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ دیکھو مجھ میں وہ تمام صفات پائی جاتی ہیں جو ہمارے صحیفوں میں بیان ہوئی ہیں چنانچہ تمام یہودی اسے مان لیں گے۔ مصنف کہتا ہے کہ ماضی میں بھی کئی لوگوں نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا تھا مگر ان کا دعویٰ چونکہ "بشارتوں" کے مطابق نہ تھا اس لئے وہ یہودیوں کو متاثر نہ کر سکے لیکن مصنف کے خیال میں اب سٹیج بالکل تیار ہے اور

"بڑھا کے ہاتھ اٹھا لے جو جام اسی کا ہے"

والی کیفیت پیدا ہو چکی ہے۔

اس تمام مفروضے کے بعد اس کے ردعمل کے طور پر مصنف نے تین امکانات پیش کئے ہیں۔ پہلا تو یہ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بانی جماعت احمدیہ اور بہاء اللہ کے دعویٰ مسیحیت کو دیوانے کی بڑ سمجھتے ہوئے نظرانداز کر دیا تھا (اور گویا اس طرح نعوذ باللہ سورہ الحاقہ میں بیان کردہ اپنا اصول خود ہی توڑ دیا) اسی طرح وہ اس کو بھی نظرانداز کر دے گا اور اس طرح وہ جھوٹا مسیح قیامت تک یہودیوں کا لیڈر بن جائے گا۔

دوسرا امکان یہ ہے کہ احمدیوں اور بہائیوں کا ایک ایک وفد اسرائیل جا کر یہودیوں کو اس شخص کے جھوٹا ہونے اور اپنے اپنے مسیح کے سچا ہونے کا قائل کرے اور جو گروہ بھی اس میں کامیاب ہو گیا اس کے مزے ہو جائیں گے۔ اس مفروضے کے آخر میں مصنف ایک سوال کرتا ہے اور وہ یہ کہ کیا اس صورتحال کو اللہ تعالیٰ کی حمیت گوارا کرے گی۔

جناب ابھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ بانی جماعت احمدیہ اور بہاء اللہ کے دعاوی سے اللہ تعالیٰ کا کیا بگڑ گیا تھا تو اسرائیل کی حکومت احمدیوں یا بہائیوں کے ہاتھ آ جانے سے خدا کا کیا نقصان ہو جائے گا جو اس وقت حمیت کا سوال ابھرے گا۔ ان کے دعویٰ کے وقت وہ حمیت

کہاں سو رہی تھی۔ یا یہ حمیت صرف اس وقت جاگتی ہے جب تورات کی پیشگوئیوں پر ضرب پڑتی ہے اور اس وقت سوئی رہتی ہے جب قرآنی احکامات پامال ہو رہے ہوں اور آپ جیسے لوگ اس کی غلط سلط تعبیریں کر رہے ہوں۔

تیسرا امکان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معجزانہ طور پر اصلی مسیحؑ کو نازل کر دے اور اس طرح ان کو معجزانہ طور پر نازل ہوتا دیکھ کر یہودی جھوٹے مسیح کو رد کر کے اصلی مسیحؑ کو مان لیں گے اور ان کی شہادت پر رسول کریمؐ کو بھی مان لیں گے۔ مصنف کے نزدیک جھوٹے مسیح کو رد کر کے اسلام کے پھیلنے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا ست
کار طفلاں تمام خواھد شد

یہ سارے کا سارا نظریہ اس قدر بودا' بے سروپیر اور فضول ہے کہ اس پر تبصرہ کرنا ہی وقت ضائع کرنے کے برابر ہے۔ مجھے مصنف کی عقل پر اتنی حیرت نہیں ہوتی جتنا افسوس اس کتاب کو سند قبولیت و پسندیدگی دینے والے عالم دین پر ہوتا ہے کہ ایک شخص محض احمدیت کی دشمنی میں اسلامی عقائد کو ملیامیٹ کرتا جا رہا ہے اور اہل اسلام کو قرآن مجید سے ہٹا کر تورات کی عظمت کی طرف راغب کر رہا ہے' مسلمانوں کو غیر مسلم طاقتوں کے خلاف جمع ہو کر جہاد کرنے کی ترغیب دینے کی بجائے ان کے دلوں پر اسرائیل کی عظمت و طاقت کا ہوا بٹھا رہا ہے' اس کی معاشرتی اصلاحات کی تعریفیں کر رہا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تاج اتار کر مسیحؑ کو پہنا رہا ہے۔ وہ شان و شوکت جو قدیم صحائف میں انؐ کے لئے لکھی گئی ہے اس کا حقدار مسیحؑ کو ٹھہرا رہا ہے اور ایک دارالعلوم کے ناظم اور ایک مشہور صحافی جو اپنی اسلام دوستی کے حوالے سے جانے جاتے ہیں نہ صرف خاموش ہیں بلکہ ان تمام بیہودہ نظریات کو سند قبولیت عطا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ ان نظریات کو قبولیت عامہ حاصل ہو۔

مصنف کے نزدیک یہودی حضرت مسیحؑ کو صرف اسی صورت میں مان سکتے ہیں کہ وہ اس طرح ان کے سامنے آئیں کہ انہیں پہچاننے کے سوا یہودیوں کے لئے کوئی چارہ ہی نہ رہے۔ اس اصول سے بھی حضرت رسول کریمؐ کی زبردست ہتک ہوتی ہے۔ آپؐ کی نشانیاں تورات میں واضح طور پر بیان ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ اے رسولؐ یہ تمہیں اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں لیکن اس

کے باوجود یہود نے نہ صرف یہ کہ من حیث القوم آپؑ کو تسلیم نہیں کیا بلکہ آپؑ کے خلاف سازشیں کرتے رہے اور ایک یہودی عورت زینب نے تو آپؑ کو نعوذ باللہ ہلاک کرنے کی خاطر زہر بھی کھلا دیا تھا جس کا اثر آپؑ بقیہ زندگی میں بھی محسوس کرتے رہے۔ جس عظیم الشان رسولؐ کی خاطر اللہ تعالیٰ نے کائنات تخلیق فرمائی، جسؐ کو اپنا محبوب قرار دیا اور جسؐ کو مقام محمود کا وعدہ دیا اسؐ کی خاطر تو یہ سب کچھ نہ ہوا اور نہ کسی اور نبی کی خاطر لیکن مسیحؑ کی خاطر خدا نہ صرف اپنی سنت تبدیل کر لے گا بلکہ تمام قوانین کو بھی ساقط کر دے گا۔

قارئین بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ مصنف کی مندرجہ بالا بحث تمام کی تمام مفروضوں پر مشتمل ہے اور کسی بھی بات کی کوئی نقلی یا عقلی دلیل مہیا نہیں کی گئی میں ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت مسیحؑ کے واقعہ صلیب کے بعد کے چند مختصر حقائق سے اپنے قارئین کو آگاہ کر دوں۔ اس موضوع پر تفصیل بے شمار کتب میں مل سکتی ہیں اور ویسے بھی میرا مقصد یہاں صرف مصنف کے اٹھائے گئے نکات کا جواب دینا ہے اور ان جوابات کی مختصر وضاحت کرنی ہے لہذا چند تاریخی حقائق آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

واقعہ صلیب اور اس کے بعد کے مختصر حقائق یہ ہیں کہ رومی گورنر پیلاطوس حضرت مسیح علیہ السلام کو بے گناہ اور راست باز انسان سمجھنے کے باوجود یہودیوں کے دباؤ میں آکر انہیں صلیب پر لٹکانے کے احکامات جاری کرنے پر مجبور ہو گیا حالانکہ انجیل کے مطابق اس کی بیوی نے اسے کہلا بھیجا تھا کہ میں نے خواب میں اس شخص یعنی مسیح علیہ السلام کے ذریعے بہت اذیت اٹھائی ہے چنانچہ تو اسے رہا کر دے۔ واقعہ صلیب جمعے کے روز پیش آیا جس کی یاد میں مسیحی آج تک گڈ فرائی ڈے مناتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے کے تھوڑی دیر بعد ہی شدید آندھی اور طوفان آیا جس سے ہر طرف تاریکی چھا گئی۔ یہودیوں کی شریعت کے مطابق شام ہوتے ہی اگلا دن شروع ہو جاتا ہے۔ واقعہ صلیب سے اگلا دن سبت کا تھا جو یہودیوں کے نزدیک مقدس ہے اور اس دن کسی کو صلیب پر نہ لٹکایا جاتا ہے نہ لٹکا رہنے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھانے کے تھوڑی دیر بعد ہی اتار لیا گیا لیکن اتارنے سے پہلے ایک رومی سپاہی نے آپ کی پسلیوں میں نیزہ مار دیا۔

آپ کے ساتھی آپ کو ایک غار میں لے گئے جہاں آپ کے زخموں کا علاج کیا گیا۔

صحت یاب ہونے کے بعد آپ اپنے حواریوں سے ملے اور انہیں اپنے زخموں کے نشان دکھائے۔ ان کے ساتھ کھانا کھایا اور پھر اپنے بارے میں کسی کو خبر نہ کرنے کی ہدایت کر کے مشرق کی طرف روانہ ہو گئے جہاں ان کے بھیڑ خانہ کی اور بھی بھیڑیں تھیں جن تک پیغام ہدایت پہنچانے کے لئے وہ مبعوث کیے گئے تھے۔

جماعت احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب تو ضرور دیئے گئے لیکن **"مکروا و مکراللہ واللہ خیر الماکرین"** کے تحت خدا تعالیٰ نے اپنی تدبیر کامل سے انہیں زندہ بچا لیا اور انہیں فلسطین سے ہجرت کا حکم فرمایا۔ چنانچہ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۴ پر ایک حدیث درج ہے جس میں حضرت رسول کریمؐ فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو وحی فرمائی کہ اے عیسیٰؑ ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتے رہو تاکہ پہچانے نہ جاؤ اور اذیت نہ دیئے جاؤ"۔

جماعت احمدیہ یہ بھی عقیدہ رکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو لعنتی موت مرنے سے بچا کر ان کو روحانی ترقیاتی عطا فرمائیں اور وہ طبعی موت مرے۔ اس کا ثبوت بھی حدیث میں موجود ہے۔ کنز العمال اور طبرانی میں حضرت فاطمۃؓ الزہرا کی روایت سے یہ حدیث درج ہے

"عیسیٰ ابن مریم ایک سو بیس برس تک زندہ رہے"

موجودہ دور کے غیر جانبدار عیسائی علماء نے بائبل پر تحریف کا الزام پرکھنے کے لئے غیر جانبدارانہ اور سچی تحقیق کی تو انہیں اپنی ہی کتب سے اس بات کا ثبوت مل گئے کہ مسیحؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے اور انجیل میں مسیحؑ کے مرنے اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر جانے کی آیات الحاقی ہیں۔ چنانچہ جان ولیم برگن نے اپنی کتاب "The Revision Revisad" میں لکھا ہے

"عیسائیت کی پہلی صدیوں میں انجیل مرقس کے آخری باب کی آٹھویں آیت کے بعد یونانی لفظ 'Texos' یعنی ختم شد لکھنے کا رواج تھا۔"

اس سے ظاہر ہے کہ انجیل مرقس کے آخری باب کی آیت نمبر ۹ تا ۲۰ بعد میں بڑھائی گئی ہیں۔ ایک عیسائی سکالر سی۔ آر۔ گریگوری اپنی کتاب "of the New Testament"

"Canon and the Text" میں لکھتا ہے

"یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ آیات ۹ تا ۲۰ کہاں سے آ گئیں۔ چند سال پہلے اس سوال کا جواب کوئی شخص نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن اب ہمارے پاس اس کا جواب موجود ہے۔ "فریڈرک کارنوالس کان بیٹر" کو ایک قدم آرمنی نسخہ ملا ہے جس میں مرقس کی آیات کو پریسبیٹر ارسٹن کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اب شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ان آیات کا مصنف مرقس نہیں بلکہ کوئی اور شخص ہے۔"

اسی سکالر کو کوہ **ایتھاس** سے جو انجیل کا نسخہ ملا ہے اس میں مرقس کے آخر میں لکھا ہے

"یسوع کی فرمودہ تمام باتیں پطرس کے ساتھیوں کو مختصر طور پر پہنچا دی گئیں۔ انہوں نے انہیں مختلف اکناف عالم میں پھیلا دیا۔ اس کے بعد یسوع خود بھی مشرق سے ظاہر ہوا اور اس نے ان لوگوں کے ذریعہ مغرب تک مقدس' بے عیب اور دائمی نجات کے پیغام کو پہنچایا۔ آمین"۔

مکتوب یروشلم

۱۸۷۳ء میں مصر میں اسکندریہ کے آثار قدیمہ کے ایک قدیم یونانی راہب خانے سے واقعہ صلیب سے تھوڑا عرصہ بعد کا لکھا ہوا ایک خط ملا جو اسینی فرقہ کے ایک راہب نے اپنے سلسلہ کے ایک رکن کو یروشلم سے اسکندریہ بھیجا تھا۔ یہ خط امریکن بک کمپنی شکاگو نے اپنی شائع کردہ ایک کتاب "Crucifixion by and eye witness" میں شامل کیا ہے۔ اس خط میں واقعہ صلیب کے تمام چشمدید حالات لکھے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ مسیحؑ کو صلیب سے زندہ اتار لیا گیا تھا جس کے بعد حکیم نقدیموس نے آپ کا علاج کیا اور آپ خفیہ طور پر یروشلم سے ہجرت کر گئے آپ نے جاتے ہوئے اپنے شاگردوں کو فرمایا

"میں یہ نہیں بتا سکتا کہ اب کہاں جاؤں گا کیونکہ میں اس امر کو مخفی رکھنا ضروری سمجھتا ہوں اور میں یہ سفر بھی تنہا کروں گا"

اسی خط میں آسمان پر حضرت مسیحؑ کے جانے کی حقیقت کو بھی کھولا گیا ہے

"جب حواریوں نے گھٹنے ٹیکے تو ان کے چہرے زمین کی طرف جھکے ہوئے تھے۔ یسوع اٹھا اور جلدی سے پھیلی ہوئی کہر میں چلا گیا ..... لیکن شہر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ یسوع بادل میں سے ہو کر آسمان پر چلا گیا۔ یہ خبر ان لوگوں نے ایجاد کی تھی جو مسیحؑ کے رخصت ہونے کے وقت موجود نہ تھے"۔

حضرت مسیحؑ کا کفن یعنی "The Holy Shroud" اور بحیرہ مردار کے صحیفے یعنی "Dead Sea Scrolls" بھی اس بات کی بین شہادت ہیں کہ مسیحؑ نہ صرف صلیب سے زندہ اتار لئے گئے بلکہ اس کے بعد انہوں نے ایک لمبا سفر بھی اختیار کیا۔

"مقدس راستباز استاد" جو خاص طور پر حضرت مسیحؑ کا لقب ہے کی زبوروں سے بھی جماعت احمدیہ کے عقائد کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان زبوروں میں خدا کی باندی سے مراد حضرت مریم ہیں جن کا یہ لقب انجیل لوقا باب آیت ۴۹ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"مریم نے فرشتہ سے کہا۔ دیکھ میں خداوند کی باندی ہوں۔ اس نے اپنی باندی کی عاجزی پر نظر کی۔ اس لئے دیکھ اب سے ہر زمانے کے لوگ مجھ کو مبارک کہیں گے"

مقدس راستباز استاد کی زبوروں میں کہا گیا ہے

"اے خداوند! تو مبارک ہے جس نے اپنے خادم کے دل میں عرفان کا چشمہ کھولا۔ اگر تیری رضا ہو تو تو اپنی باندی کے جنے ہوئے کا رفع کرے گا تاکہ وہ تیرے منتخب انسانوں میں شامل ہو اور تیرے حضور ہمیشہ کھڑا رہے"

(زبور چہارم)

"میں عزم لے کر اٹھوں گا اور جب مجھے اذیت کا سامنا کرنا ہو گا تو میری روح توانا ہو گی کیونکہ میں نے تیری کرپی اور تیری رحمت کے سرچشموں کو سہارا اپنایا ہے"۔

(زبور ۸ ب)

"اے میرے خداوند! میں تیرا شکرادا کرتا ہوں کہ تیری نگاہیں میری

روح پر مرکوز ہیں- تونے مجھے ان کے غضب سے بچالیاہے جو تیری جھوٹی حمد کرتے ہیں- تو نے غریب کی جان بچائی جس کا خون وہ اس غرور کی تشہیر کے لئے بہانا چاہتے تھے کہ وہ تیرے عبادت گزار ہیں- انہوں نے شرپسندوں کے کہنے پر مجھے لعنت و ملامت کے لئے چنا لیکن اے میرے خدا! تو زور آور کے ہاتھ سے بچانے کے لئے غریب اور بے آسرا کی مدد کو آ پہنچا- تو نے مجھے صحت عطا کی کہ میں ان کی شیطانی تدابیر اور رومنوں کے پاس مخبری کے خوف سے تیری عبادت کو ترک کرنے کے گناہ سے بچا رہا"

(زبور ۴)

"اے میرے خدا! میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے میری روح کو زندگی کے بندھن میں باندھا ..... ظالموں نے میری جان لینے کی کوشش کی کیونکہ میں تیرے عہد پر قائم ہوں ..... انہوں نے نہ سمجھا لیکن تیرے حضور میرا موقف محکم ہے ...... تیری ہی مرضی ہے کہ وہ میری جان پر قابو نہیں پا سکے ..... میرا قدم سچائی پر پوری طرح گامزن رہے گا اور میں یہود کے حلقوں میں تیرے نام کی ثناء کروں گا"

(زبور ۳)

"پس مجھے میرے وطن سے اس طرح نکال دیا گیا جیسے پرندے کو گھونسلے سے- میرے عزیز و اقارب مجھے چھوڑ گئے- وہ مجھے ایک ٹوٹا ہوا برتن سمجھتے ہیں لیکن اے خدا تو شیطان کے تمام حربوں کو ناکام بنا دے گا"

(زبور ۸ الف)

"خداوند! میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تونے ایک غیر اور اجنبی ملک کے سفر میں بھی میرا ساتھ نہیں چھوڑا ..... تو بے بسی میں میرا آسرا ہو گا- تو مجھے ایک اجنبی سرزمین میں لے آیا ہے- اے میرے خداوند! تو مجھے بنی آدم سے مخفی رکھے گا"

(زبور۔ ۱۰)

مندرجہ بالا تمام اقتباسات واضح طور پر حضرت مسیحؑ کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ وہی ہیں جو ایک باندی کے جنے ہیں۔ ان کے قتل کی کوششیں ہوئیں اور رومیوں کے پاس مخبری کی گئی اور پھر وہ وہاں سے نکل کر ایک غیر ملک میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ یہ غیر ملک جماعت احمدیہ کے نزدیک کشمیر تھا جس کے تاریخی شواہد موجود ہیں۔ پادری برکت اللہ صاحب ایم اے نے اپنی کتاب تاریخ کلیسیائے ہند میں لکھا ہے؛

"حال ہی میں شمالی ہند سے بھی اس قسم کی صلیبیں ملی ہیں۔ یہ صلیبیں کشمیر کی قدیم قبروں میں پہاڑیوں کی وادیوں سے دستیاب ہوئی ہیں۔ ان کی بناوٹ، نقش و نگار اور الواح کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ صلیبیں نسطوری ہیں اور قبریں بھی نسطوری عیسائیوں کی ہیں۔ یہ امور ثابت کرتے ہیں کہ یہاں قدیم صدیوں میں جا بجا کلیسیائیں قائم تھیں اور وہاں نسطوری عیسائی آبادی تھے۔"

کشمیر کی ایک مستند اور قلمی تاریخ میں جسے آج سے تقریباً چھ سو برس پہلے ایک مسلمان نے قلمبند کیا تھا۔ حضرت مسیحؑ کی کشمیر میں آمد کا ذکر۔ چنانچہ لکھا ہے؛

"راجہ اکھ کے معزول ہونے کے بعد اس کا بیٹا راجہ گوپانند حکمران ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں بہت سے مندر تعمیر ہوئے۔ کوہ سلیمان کی چوٹی پر ایک شکستہ گنبد تھا۔ راجہ نے اس کی تعمیر کے لئے اپنے وزیروں میں سے ایک شخص سلیمان نامی کو جو فارس سے آیا تھا مقرر کیا۔ ہندوؤں نے اعتراض کیا کہ یہ ملیچھ ہے۔ اس وقت حضرت یوز آسف بیت المقدس سے وادی اقدس (کشمیر) کی جانب مرفوع ہوئے اور آپ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ شب و روز عبادت الٰہی میں مشغول تھے اور تقویٰ و پارسائی کے اعلیٰ درجہ کو پہنچ کر خود کو اہل کشمیر کی رسالت کے لئے مبعوث قرار دیا اور دعوت خلائق میں مشغول تھے۔ چونکہ خطہ کشمیر کے اکثر لوگ آنحضرت (یوز آسف) کے عقیدت مند تھے راجہ گوپانند نے ہندوؤں کا اعتراض ان کے سامنے پیش کیا اور آنحضرت کے حکم سے سلیمان نے جسے ہندوؤں

نے سندیمان کا نام دیا گنبد مذکور کی تکمیل کی (۵۴ء) اس نے گنبد کی
سیڑھی پر لکھا کہ اس وقت یوز آسف نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے اور
دوسری سیڑھی کے پتھر پر لکھا ہے کہ آپ بنی اسرائیل کے پیغمبر یسوع
ہیں (مصنف لکھتا ہے) کہ میں نے ہندوؤں کی کتاب میں دیکھا ہے
کہ آنحضور (یوز آسف) بعینہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیٰ بینا و علیہ
الصلوٰۃ والسلام تھے اور آپ نے یوز آسف کا نام بھی اختیار کیا ہوا
تھا۔ والعلم عند اللہ۔

شیعہ کتاب بحارالانوار میں لکھا ہے کہ مریم اور ابن مریم ارض کربلا سے گذرے۔ انہوں نے حواریوں کے ہمراہ یہاں قیام فرمایا۔

میں نے نہایت مختصر طور پر بدلائل یہ بیان کر دیا ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب سے نجات پاکر کشمیر کی جانب آ گئے اور ایک سو بیس برس کی عمر میں وہاں وفات پائی۔ یہودیوں اور رومیوں کے ہاتھوں سے بچ نکل کر فلسطین جیسی ہی چشموں پہاڑوں والی سرسبز جگہ پر ان کے پناہ لینے کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"و اوینھما الی ربوۃ ذات قرار و معین"

ترجمہ: اور ہم نے ان دونوں کو ایک اونچی جگہ پر پناہ دی جو ٹھہرنے
کے قابل اور بہتے ہوئے پانیوں والی تھی"

(سورہ المومنون آیت نمبر۵۱)

ان حقائق کی روشنی میں جو قرآن مجید' احادیث' بائبل اور تاریخ سے حاصل کئے گئے ہیں' مصنف کے مفروضوں کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔ قارئین اس بات سے یہ بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کے عقائد مفروضوں پر نہیں بلکہ ٹھوس بنیادوں پر مشتمل ہیں اور یہ تمام ثبوت حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ کے بعد دنیا کے سامنے آئے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ کہ مسیحؑ فوت ہو گیا ہے الہامی اطلاع پر مبنی تھا۔ بعد کے واقعات اور شہادتوں نے ان کے اس الہامی دعویٰ کو سچا ثابت کر دکھایا اور اب اللہ کے فضل سے روز بروز ایسے لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو وفات عیسیٰ کے قائل ہیں۔ خود عیسائیوں میں ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو موجودہ عقائد کو یعنی تثلیث اور کفارہ کے عقیدے کو مسیحؑ کی بجائے سینٹ پال یعنی ساؤل کی طرف برملا منسوب کرتے ہیں۔ مشہور

کتاب "دی ہنڈرڈ" کے مصنف مائیکل ایچ ہارٹ نے یہی نظریہ اپنایا ہے۔ کچھ عرصہ پیشتر ریلیز ہونے والی فلم "The last Temptation of Christe" میں بھی اسی نظریئے کو پیش کیا گیا تھا جس پر قدامت پسند مذہبی حلقوں اور چرچ نے بہت شور مچایا اور اس فلم پر پابندی کا مطالبہ کیا۔

جماعت احمدیہ اور ترقی اسلام

مصنف نے حاشیہ در صفحہ ۶۲ میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ دس ہزار مثیل مسیح آکر کیا کریں گے اور یہ کہ لوگ سچے جھوٹے کی پہچان کس طرح کریں گے۔ مصنف کی اس بات سے یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ ان کی اس کتاب کی بنیاد زیادہ تر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی کتاب "ازالہ اوہام" کے نامکمل مطالعہ پر رکھی گئی ہے۔ اگر مصنف نے "ازالہ اوہام" مکمل طور پر پڑھی ہوتی تو انہیں اپنے مندرجہ بالا سوالات کا جواب مل جاتا جو اسی کتاب میں مذکور ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اسی نوعیت کے سوالات کا جواب تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"پھر بعد اس کے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ظاہر پر ہی ان بعض مختلف حدیثوں کو جو ہنوز ہماری حالت موجودہ سے مطابقت نہیں رکھتیں محمول کیا جائے تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ خداتعالیٰ ان پیشگوئیوں کو اس عاجز کے ایک ایسے کامل متبع کے ذریعے سے کسی زمانہ میں پورا کر دیوے جو منجانب اللہ مثیل مسیح کا مرتبہ رکھتا ہو اور ہر ایک آدمی سمجھ سکتا ہے کہ متبعین کے ذریعہ سے بعض خدمات کا پورا درحقیقت ایسا ہی ہے کہ گویا ہم نے اپنے ہاتھ سے وہ خدمات پوری کیں بالخصوص جب بعض متبعین فنا فی الشیخ کی حالت اختیار کر کے ہمارا ہی روپ لے لیں اور خداتعالیٰ کا فضل انہیں وہ مرتبہ ظلی طور پر بخش دیوے جو ہمیں بخشا تو اس صورت میں بلاشبہ ان کا ساختہ پرداختہ ہمارا ساختہ پرداختہ ہے کیونکہ جو ہماری راہ پر چلتا ہے وہ ہم سے جدا نہیں اور جو ہمارے مقاصد کو ہم میں ہو کر پورا کرتا ہے وہ درحقیقت ہمارے ہی وجود میں داخل ہے۔ اس

لئے وہ جزو اور شاخ ہونے کی وجہ سے مسیح موعود کی پیشگوئی میں
بھی شریک ہے کیونکہ وہ کوئی جدا شخص نہیں۔ پس اگر ظلی طور پر وہ
بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مثیل مسیح کا نام پاوے اور موعود میں بھی
داخل ہو تو کچھ حرج نہیں کیونکہ گو مسیح موعود ایک ہی ہے مگر اس
ایک میں ہو کر سب موعود ہی ہیں کیونکہ وہ ایک ہی درخت کی
شاخیں اور ایک ہی مقصد موعود کے روحانی یگانگت کی راہ سے متمم و
مکمل ہیں اور ان کو ان کے پہلوؤں سے شناخت کرو گے۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۱۷۳۔۱۷۴)

اس وضاحت کی بناء پر مصنف کی یہ بات بالکل غلط ثابت ہو گئی کہ مرزا صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ دس ہزار مثیل مسیح آکر کیا کریں گے۔

مصنف نے آگے چل کر یہ بھی لکھا ہے کہ مرزا صاحب عیسیٰ پرستی کے ستون کو توڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکے جس کا ثبوت انہوں نے روزنامہ جنگ میں شائع شدہ خبر سے اس طرح دیا ہے کہ روزانہ چھ ہزار افریقی عیسائیت اختیار کر رہے ہیں۔ حکومت پاکستان نے ملاؤں کے دباؤ میں آکر جماعت احمدیہ کے بارے میں خبریں شائع کرنا بند کر دیں ہیں لہٰذا ہماری مساعی اور کامیابیاں جو دین حق پھیلانے کے بارے میں ہو رہی ہیں وہ آپ تک نہیں پہنچ رہی ہیں۔ جب آپ کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے تو روشن سورج کے نکلنے پر بھی آپ یہی سمجھتے ہیں کہ باہر سخت اندھیرا ہے۔ میں آپ کی خدمت میں چند حوالے پیش کرتا ہوں جن سے ظاہر ہو گا کہ ترقی پر اسلام ہے نہ کہ عیسائیت اور یہ کہ اب عیسائیت جارحیت کی بجائے دفاع پر مجبور ہو گئی ہے۔

(۱) "اسلام کی روز افزوں ترقی میں احمدیت کے اثرات اس
طرح داخل ہوئے ہیں گویا یہ تانے بانے میں داخل ہیں۔ یہ
بات بغیر تردد کے کہی جا سکتی کہ احمدیہ جماعت سب سے زیادہ
کام کرنے والی اور سب سے زیادہ وسیع اسلامی جماعت ہے جو
افریقہ میں کام کر رہی ہے"

(گاڈ' اللہ اور جوجو)

(۲) "اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام افریقہ میں برابر ترقی کر

رہا ہے۔ اگر ایک شخص عیسائیت قبول کرتا ہے تو اسلام اس کے مقابلہ میں دو افراد کو حلقہ بگوش بنا لیتا ہے"

(ریورنڈ جے ٹی والس جنرل سیکرٹری برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی)

(۳) "عیسائی حلقے مسلسل اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ افریقہ میں اسلام عیسائیت کے لئے خطرہ بن گیا ہے اور یہ خطرہ روز بروز بڑھ رہا ہے"

(سوئٹزر لینڈ کا ایک اخبار ۱۳ مئی ۱۹۶۱ء)

"عیسائی تنظیم اسلام کی ترقی سے خائف ہے"

ڈیلی ٹائمز نائیجریا

"پادریوں کی ایک میٹنگ نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ چند ہی سالوں میں افریقہ میں اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ عیسائیت یہاں باقی رہ سکے گی یا نہیں۔"

(ڈیلی ٹائمز نائیجریا)

ایک عیسائی مصنف ہربرٹ گوٹس شالک اپنی کتاب "ویلٹ پیو یگنڈے ماخٹ اسلام" میں لکھتے ہیں

"آج اسلام عقائد کی اشاعت کے لئے تلوار استعمال نہیں کر رہا۔ مقدس جنگ کا رخ صرف باقی استعماری طاقتوں کی طرف ہے لیکن امن پسند جماعت احمدیہ کرہ ارض کے تقریباً تمام ممالک میں تبلیغی مہمات میں مصروف ہے ..... یہی جماعت ہے جو مسیحیوں کو حلقہ اسلام میں کھینچ لانے کے لئے پر زور تبلیغ کر رہی ہے۔ ہم نے قبل ازیں مسلمانوں کے اندر مسیحیت کی تبلیغ میں مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ اب اس جماعت کی تبلیغی مساعی کا ہدف خود مسیحیت بن گئی ہے۔ اس جماعت نے یورپ' امریکہ' افریقہ' ایشیا اور آسٹریلیا کے تقریباً تمام بڑے شہروں میں مشنوں کے قیام کے ذریعہ مسیحی دنیا میں ایک رخنہ' خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو' ڈال دیا ہے۔ یہ جماعت مؤثر پروپیگنڈا

کا نظام رکھتی ہے۔ تقاریر کی جاتی ہیں۔ اخبارات شائع کئے جاتے ہیں
اور ریڈیو کو اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے"۔

اس کے علاوہ صرف ۱۹۸۹ء میں جو جماعت احمدیہ کی صد سالہ جوبلی کا سال تھا اللہ تعالیٰ کے بے شمار فضل جماعت احمدیہ پر نازل ہوئے جن کا مختصر ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ چار نئے ممالک میں جماعت قائم ہوئی۔ اب تک یہ تعداد ۱۳۰ تک پہنچ چکی ہے یعنی دنیا بھر کے ۱۳۰ ممالک میں جماعت احمدیہ قائم ہو چکی ہے۔

۲۔ صرف ایک سال میں ۳۳،۰۰۰ لوگ جماعت احمدیہ میں داخل ہوئے جن میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز لوگ، وزیر، سفیر اور ایک ملک کے گورنر جنرل بھی شامل ہیں۔ اگلے سالوں میں یہ تعداد دو لاکھ سے بھی تجاوز کر گئی ہے۔

۳۔ صرف ایک سال میں ۲۲۴ بیوت الذکر ان کے پیش اماموں اور نمازیوں سمیت جماعت احمدیہ کو مل گئیں۔

۴۔ ریڈیو، ٹی وی، مختلف قسم کی پریس کوریج اور نمائشوں کے ذریعے اسلام کا پیغام دنیا کو پہنچایا گیا۔ وغیرہ وغیرہ

حضرت امام جماعت احمدیہ مرزا طاہر احمد صاحب نے عالمی بیعت کا عظیم الشان پروگرام تشکیل فرما کر تمام دنیا کی جماعتوں کو بیعت کا ٹارگٹ دیا۔ چنانچہ ان کے ارشاد کی تعمیل میں جماعت نے انتھک محنت کرتے ہوئے محض خدا کے فضل کے ساتھ ۱۹۹۳ء کے جلسہ سالانہ یوکے کے موقع پر دو لاکھ سے زائد اور ۱۹۹۴ء کے جلسہ سالانہ یوکے کے موقع پر چار لاکھ سے زائد بیعتوں کا تحفہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی خدمت میں پیش کیا۔ ان مؤخر الذکر چار لاکھ بیعتوں میں ستائیس ہزار یورپین افراد کی بیعتیں بھی شامل ہیں جو کہ ایک ریکارڈ ہے۔

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کے دور سربراہی میں ہی ڈش انٹینا کی شکل میں اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فضل جماعت احمدیہ پر نازل ہوا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کسی دوسری مذہبی و سیاسی جماعت میں نہیں ملتی۔ دنیا کی کسی بڑی سے بڑی حکومت کے سربراہ کو بھی آج تک یہ توفیق نہیں ملی کہ اس کا خطاب بیک وقت تمام دنیا میں نشر ہو۔ محض خداتعالیٰ کے فضل سے امام جماعت احمدیہ کا خطبہ جمعہ اور دیگر دینی اور علمی پروگرام ایم ٹی اے کے ذریعے روزانہ پوری دنیا میں دیکھے اور سنے جاتے ہیں۔ بہت سے غیر متعصب اور غیر جانبدار لوگ

جو جماعت احمدیہ کے لٹریچر کی اشاعت و تقسیم پر پابندی کے باعث جماعت کے عقائد اور نقطہ نظر سے آگاہ نہیں ہو سکتے تھے۔ ڈش انٹینا کے ذریعے امام جماعت احمدیہ کے ارشادات دیکھ اور سن کر متاثر ہو چکے ہیں۔

مصنف سے گذارش ہے کہ آپ تصویر کا صرف ایک رخ دیکھنے کی بجائے اور کبوتر کی طرح بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کرنے کی بجائے حقیقت حال کا جائزہ لیں اور کنویں کا مینڈک بننے کی بجائے باہر نکل کر دیکھیں کہ کس طرح لوگ احمدیت میں داخل ہو رہے ہیں اور عیسیٰ پرستی کا ستون کس طرح ٹوٹتا چلا جا رہا ہے۔

یہاں میں جملہ معترضہ کے طور پر مصنف کو ان کی ناشکری اور ناسپاسی یاد کرانا چاہتا ہوں جو انہوں نے جماعت احمدیہ کی مخالفت کی صورت میں روا رکھی ہے۔ انگریزوں کے ہندوستان پر قبضہ کے بعد عیسائی مبلغین کو گویا ایک وسیع تبلیغی میدان ہاتھ آگیا۔ چنانچہ انہوں نے حکومت ہند اور حکومت انگلستان کی مدد اور مالی معاونت کے ساتھ عیسائیت کی تبلیغ کا کام زبردست طریقے سے شروع کر دیا۔ اس عظیم الشان مہم کا ذکر کرتے ہوئے اسباب بغاوت ہند میں سرسید احمد خان نے لکھا ہے کہ عام رعایا کو عموماً اور سرکاری ملازمین کو خصوصاً ہرروز یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ آج نہیں تو کل کسی سرکاری فرمان کے ذریعے انہیں کرسٹان ہونا پڑے گا۔

مولوی نور محمد صاحب نقشبندی چشتی نے مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے ترجمہ قرآن کریم پر ایک طویل دیباچہ لکھا ہے۔ اس کے صفحہ ۳۰ پر لکھا ہے۔

> ''اس زمانے میں پادری لیفرائے پادریوں کی ایک بہت بڑی جماعت لے کر اور حلف اٹھا کر ولایت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنا لوں گا۔ ولایت کے انگریزوں سے روپیہ کی بہت بڑی مدد اور آئندہ کی مدد کے مسلسل وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا تلاطم برپا کیا۔ حضرت عیسیٰ ؑ کے آسمان پر بجسم خاکی زندہ موجود ہونے اور دوسرے انبیا کے زمین میں مدفون ہونے کا حملہ عوام کے لئے اس کے خیال میں کارگر ہوا۔ تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہو گئے اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰ ؑ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو کر دفن ہو

چکے ہیں اور جس عیسیٰؑ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں پس اگر تم سعادت مند ہو تو مجھ کو قبول کر لو۔ اس ترکیب سے اس نے لیفرائے کو اس قدر تنگ کیا کہ اس کو پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا اور اس ترکیب سے اس نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دے دی۔"

مصنف کی ناسپاسی یہ ہے کہ ان کے آباؤاجداد کو عیسائی ہونے اور بپتسمہ لینے سے حضرت بانی جماعت احمدیہ کے ذریعے خدا تعالیٰ نے بچا لیا ورنہ آج وہ بھی گلے میں صلیب لٹکائے پھر رہے ہوتے۔ اس احسان کو ماننا تو درکنار الٹا ہم سے یہ سوال کر رہے ہیں کہ مرزا صاحب نے عیسیٰ پرستی کے ستون کو کس طرح توڑا۔ گویا

نیکی برباد گناہ لازم

اس احسان فراموشی میں دراصل آپ کا بھی اتنا قصور نہیں ہے۔ اصل مجرم وہ لوگ ہیں جو تاریخ کو مسخ کر کے پیش کر رہے ہیں۔ وہی لوگ جو قیام پاکستان کے اشد ترین مخالف تھے آج پاکستان کے اندر اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور عوام کو دن رات یہ باور کرا رہے ہیں کہ جماعت احمدیہ، جس نے درحقیقت قیام پاکستان میں قائداعظم اور مسلم لیگ کی بے لوث و بے غرض اعانت کی تھی، غدار ہے۔ اسی طرح نئی نسل کو ان کاوشوں کے متعلق مکمل طور پر لاعلم رکھا جا رہا ہے جو جماعت احمدیہ نے مسیحیت کو ہندوستان میں پھیلنے سے روکنے، موجودہ نسل کے آباؤاجداد کو عیسائی ہونے سے بچانے اور ملکانہ کے راجپوتوں میں تحریک ارتداد کو روکنے کے لئے کی تھیں۔ جماعت احمدیہ کی اس دور کی ایسی ایسی عظیم الشان اور سنہرے حروف سے لکھی جانے والی قربانیاں ہیں جن کی صرف ایک جھلک نئی نسل کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے اور خود مسلمان اس وقت کیا کر رہے تھے مولانا شبلی نعمانی کی زبانی سنئے۔

"جس وقت میں یہاں سے چلا ہوں میری جو حالت تھی یہ طلبہ ندوہ کے جو یہاں بیٹھے ہیں وہ اس کے شاہد ہوں گے کہ میں نے اس وقت کوئی گالی نہیں اٹھا رکھی تھی جو میں نے ان ندوہ والوں کو نہ سنائی ہو گی کہ اے بے حیاؤ! اور اے کم بختو! ڈوب مرو۔ یہ واقعات پیش آئے ہیں (یعنی تحریک شدھی۔ ناقل) ندوہ کو آگ لگا دو اور علی

گڑھ کو بھی پھونک دو۔ یہی الفاظ میں نے اس وقت بھی کہے تھے اور
آج بھی کہتا ہوں"

(حیات شبلی صفحہ ۵۵۷-۵۵۸)

اس صورتحال سے نپٹنے کے لئے مولانا شبلی نعمانی نے اپریل ۱۹۱۲ء میں لکھنؤ کے مقام پر تمام ہندوستان کے مسلمان مشاہیر کی ایک کانفرنس بلائی۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں

"مولانا یہ چاہتے تھے کہ اشاعت کے کام تمام فرقے کریں۔ اسی لئے مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب جو اب خلیفہ قادیان ہیں اور خواجہ کمال الدین صاحب تک کی شرکت سے انکار نہیں کیا گیا۔ اس پر اسی جلسہ کے دوران مولانا پر یہ الزام رکھا گیا کہ انہوں نے قادیانیوں کو جلسہ میں کیوں شریک کیا"؟ اور ان کو تقریر کی اجازت کیوں دی؟"

(حیات شبلی)

اس کا اثر مولانا شبلی پر یہ ہوا کہ

"مولانا بیمار اور پراگندہ خاطر ہو کر مولوی عبدالسلام صاحب اور سیرت کو لے کر بمبئی روانہ ہو گئے اور دو چار ماہ کے غوروفکر کے بعد جولائی ۱۹۱۳ء کو ندوہ سے مستعفی ہو کر سبکدوش ہو گئے اور کام کی ساری تجویزیں درہم برہم ہو کر رہ گئیں۔"

(حیات شبلی)

جماعت احمدیہ نے راجپوتانہ کے میدان ارتداد میں اسلام کی سربلندی کے لئے بے مثل قربانیاں پیش کیں ان کا تذکرہ اپنوں کی بجائے غیروں کی زبان سے سناتا ہوں کیونکہ عربی کا محاورہ ہے کہ الفضل ما شھدت بہ الاعداء یعنی حقیقی بزرگی وہی ہے جس کی شہادت دشمن دیں۔

زمیندار اخبار ۲۴ جون ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

"جو حالات فتنہ ارتداد کے متعلق بذریعہ اخبارات علم میں آ چکے ہیں ان سے صاف واضح ہے کہ مسلمانان جماعت احمدیہ اسلام کی انمول خدمت کر رہے ہیں۔ جو ایثار کمربستگی نیک نیتی اور توکل علی اللہ ان کی جانب سے ظہور میں آیا ہے وہ اگر ہندوستان کے موجودہ زمانے

میں بے مثال نہیں تو بے اندازہ عزت اور قدر دانی کے قابل ضرور ہے۔ جہاں ہمارے مشہور پیر اور سجادہ نشین حضرات بے بس و حرکت پڑے ہیں اس اولوالعزم جماعت نے عظیم الشان خدمت کر کے دکھا دی"

(بیان شیخ نیاز علی ایڈووکیٹ ہائیکورٹ لاہور)

پھر یہی اخبار ۲۹ جون ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

"قادیانی احمدی اعلیٰ ایثار کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان کا قریباً ایک سو مبلغ امیر وفد کی سرکردگی میں مختلف دیہات میں مورچہ زن ہے۔ ان لوگوں نے نمایاں کام کیا ہے۔ جملہ مبلغین بغیر تنخواہ یا سفر خرچ کے کام کر رہے ہیں۔ ہم گو احمدی نہیں لیکن احمدیوں کے اعلیٰ کام کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جس اعلیٰ ایثار کا ثبوت جماعت احمدیہ نے دیا ہے اس کا نمونہ سوائے متقدمین کے مشکل سے ملتا ہے۔ ان کا ہر ایک مبلغ خواہ غریب ہو یا امیر' بغیر مصارف سفر و طعام حاصل کئے میدان عمل میں گامزن ہے۔ شدید گرمی اور لوؤں میں وہ اپنے امیر کی اطاعت میں کام کر رہے ہیں"۔

اخبار مشرق گورکھپور نے لکھا

"جماعت احمدیہ کے امام و پیشوا کی لگاتار تقریروں اور تحریروں کا اثر ان کے تابعین پر بہت گہرا پڑا اور اس جہاد میں اس وقت سب سے آگے یہی فرقہ نظر آتا ہے۔ اور باوجود اس بات کے کہ احمدی فرقہ کے نزدیک اس گروہ نومسلم کی تائید کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس فرقے سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا مگر اسلام کا نام لگا ہوا تھا اس لئے اس کی شرم سے امام جماعت احمدیہ کو جوش پیدا ہو گیا ہے اور آپ کی بعض تقریریں دیکھ کر دل پر بہت ہیبت طاری ہوتی ہے کہ ابھی خدا کے نام پر جان دینے والے موجود ہیں۔ اور اگر ہمارے علماء کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ جماعت احمدیہ اپنے عقائد کی تعلیم دے گی تو وہ اپنی متفقہ جماعت میں ایسا خلوص پیدا کر کے آگے بڑھائیں کہ ستو

کھائیں اور چنے چبائیں اور اسلام کو بچائیں"

اخبار وکیل امرتسر ۳ مئی ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں لکھتا ہے

"احمدی جماعت کا طرز عمل اس بات میں نہایت قابل تعریف ہے جو باوجود چھیڑچھاڑ کے محض اس خیال سے کہ اسلام کو چشم زخم سے محفوظ رکھا جائے ان خانہ جنگیوں کے انسداد کی طرف خود مسلمانوں کے لیڈروں کو توجہ دلاتے ہیں اور ہر طرح کا کام کرنے کو تیار ہیں ..... ہم علی وجہ البصیرت اعلان کرتے ہیں کہ قادیان کی احمدی جماعت بہترین کام کر رہی ہے"

مولوی ممتاز علی صاحب ایڈیٹر اخبار "تہذیب النسواں" لاہور نے ۲ مئی ۱۹۲۵ء کو لکھا

"میں نے سنا ہے کہ میدان ارتداد میں ہر فرقہ اسلام نے تبلیغ کے لئے اپنے اپنے نمائندے بھیجے ہیں۔ مناسب جانا کہ میں جس گروہ کے مبلغین کو زیادہ کامیاب دیکھوں ان میں سے ایک اپنے لئے منتخب کر لوں۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ تبلیغ کے کام میں سب سے زیادہ کامیابی احمدی مبلغوں کو ہوئی ہے۔ اس لئے میں نے چاہا کہ اگر تہذیبی بہنوں کو اعتراض نہ ہو تو وہ ان میں سے کسی ایک مبلغ کا خرچ اپنے ذمہ لے لیں۔ مگر اسی اثناء میں ہمارے علماء نے اعلان شائع کیا کہ احمدی فرقہ کے سب لوگ کافر ہیں۔ ان کا کفر ملکانہ راجپوتوں کے کفر سے بھی زیادہ شدید ہے"۔

دیو سماجی اخبار جیون تت نے ۲۴ اپریل ۱۹۲۳ء کو لکھا

"ملکانہ راجپوتوں کی شدھی کی تحریک کو روکنے اور ملکانوں میں اسلامی مت کا پرچار کرنے کے لئے احمدی صاحبان خاص جوش کا اظہار کر رہے ہیں۔ چند ہفتے ہوئے قادیانی فرقہ کے لیڈر مرزا محمود احمد صاحب نے ڈیڑھ سو ایسے کام کرنے والوں کے لئے اپیل کی تھی جو تین ماہ کے لئے ملکانوں میں جا کر مفت کام کرنے کے لئے تیار ہوں جو اپنا اور اپنے اہل و عیال کا وہاں کے کرایہ وغیرہ کا کل خرچہ برداشت کر سکیں اور انتظام میں جس لیڈر کے ماتحت جس کام پر انہیں لگایا جاوے اسے وہ خوشی خوشی کرنے کو تیار ہوں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس اپیل پر چند ہفتوں کے اندر چار سو سے زیادہ درخواستیں ان شرائط پر کام کرنے کے لئے موصول ہو چکی ہیں اور تین پارٹیوں میں نوے احمدی صاحبان آگرہ کے علاقہ میں پہنچ چکے ہیں اور بہت سرگرمی سے ملکانوں میں اپنا پرچار کر رہے ہیں۔ اس نئے علاقے کے حالات معلوم کرنے کے لئے ان میں سے بعض نے جن میں گریجوایٹ نوجوان بھی شامل تھے اپنے بستر کندھوں پر رکھ کر تیز دھوپ میں پیدل سفر کر کے سارے علاقہ کا دورہ کیا ہے۔ اپنے مت کے پرچار کے لئے ان کا جوش اور ایثار قابل تعریف ہے"

آریہ پتریکا بریلی نے یکم اپریل ۱۹۲۳ء کو لکھا

"اس وقت ملکانے راجپوتوں کو ..... اپنی پرانی راجپوتوں کی برادری میں جانے سے باز رکھنے کے لئے جتنی اسلامی انجمنیں اور جماعتیں کام کر رہی ہیں ان میں احمدیہ جماعت قادیان کی سرگرمی اور کوشش فی الواقع قابل داد ہے"

ان تمام کاوشوں کے نتیجے میں شدھی کا یہ عظیم طوفان دم توڑ گیا۔ اس میدان میں ہندوؤں کو جس طرح منہ توڑ شکست ہوئی اس کا اعتراف چار سال بعد اخبار 'تیج' دہلی نے ۲۵ جولائی ۱۹۲۷ء کو اس طرح کیا

"میرے خیال میں تمام دنیا کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ ٹھوس

موثر اور مسلسل کام کرنے والی جماعت' جماعت احمدیہ ہے اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم سب سے زیادہ اس کی طرف سے غافل ہیں اور آج تک ہم نے اس خوفناک جماعت کو سمجھنے کی کوششیں ہی نہیں کی"

حضرت عیسیٰ ؑ کے حالات

اس عنوان کے تحت مصنف کے اٹھائے گئے نکات کا جواب میں پچھلے صفحات میں دے چکا ہوں اور مصنف کی یہ غلط فہمی رفع کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہودیوں پر حضرت عیسیٰ ؑ کے انکار کے باعث کوئی عذاب نہیں آیا کیونکہ خود قرآن کریم میں خدا فرما چکا ہے کہ نبی اسرائیل کے کفر کے باعث عیسیٰ ؑ ابن مریم پر لعنت ڈال چکے ہیں- لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت تبدیل نہیں کی کہ انبیاء کے انکار کے بعد کسی قوم پر عذاب نہ آیا ہو- اب صرف مجھے اس حاشیہ کا جواب دینا ہے جو مصنف نے اس باب کے نیچے باندھا ہے- اس میں پہلی قابل اعتراض بات مصنف نے یہ لکھی ہے کہ مسلمانوں پر مصائب نازل ہوتے دیکھ کر احمدی خوش ہوتے ہیں- یہ صریحاً" الزام اور انسانیت سے گری ہوئی بات ہے- جماعت احمدیہ کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں پر کوئی کڑا وقت آیا ہے جماعت احمدیہ نے دامے دامے قدمے سخنے امت مسلمہ کی مدد کی ہے اور امام جماعت احمدیہ ہر دور میں مسلمانوں کو اسلام کی حقیقی تعلیم کی طرف بلاتے رہے ہیں- قیام پاکستان سے پہلے مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے اور مسلمانوں کو یک زبان ہو کر قائداعظم اور مسلم لیگ کی حمایت پر آمادہ کرنے کے لئے امام جماعت احمدیہ ثانی نے انتھک کوشش کی- اس طرح موجودہ دور میں امام جماعت احمدیہ رابع نے خلیج کی جنگ سے پیدا شدہ صورتحال کا قرآنی پس منظر میں تجزیہ کرتے ہوئے مسلمان سربراہوں کو امریکہ اور اسرائیل کی سازشوں سے خبردار کیا اور انہیں اس قرآنی اصول کی طرف بلایا کہ اگر دو مسلمان بھائی آپس میں لڑ پڑیں تو تمام مسلمان اکٹھے ہو کر ان کی صلح کروائیں اور اگر ان میں سے ایک جارحیت پر بضد ہو تو سب مل کر اس کے خلاف لڑیں لیکن مسلمان سربراہوں نے ان کی بات پر کان نہ دھرے اور اسلامی کانفرنس یا عرب لیگ کے ذریعے اس مسئلہ کو حل کرانے کی بجائے امریکہ اور یورپی طاقتوں کا سہارا لیا-

لہٰذا یہ آپ کا دردناک جھوٹا الزام اور تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش ہے کہ ہم احمدی

مسلمانوں پر مصائب وارد ہوتے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ہاں اگر آپ واقعی یہ جان چکے ہیں کہ مسلمان بحیثیت مجموعی مصائب و آلام کا شکار ہیں اور آپ کے نزدیک یہ مصائب حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے انکار کی وجہ سے نہیں آ رہے تو پھر ٹھنڈے دل و دماغ سے بیٹھ کر غور کریں کہ آخر ان پے درپے مصائب اور روزبروز تنزلی کی کیا وجہ ہے۔ دراصل یہ تمام آلام و مصائب انبیاء کے انکار کے باعث ہی ٹوٹتے ہیں جیساکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ

"وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا"

(سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر۱۶)

ترجمہ: ہم رسول مبعوث کرنے سے پہلے عذاب نہیں دیتے۔

دوسری بات کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ کا یہ دعویٰ تھا ہی نہیں کہ وہ مسلمان قوم کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ مصنف کی اس قدر کم علمی اور بغض و عناد کا مظہر ہے جس پر مزید تبصرہ کی ضرورت ہی نہیں۔

تیسری بات جو مصنف نے اس ضمن میں بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کے پاس کوئی معجزہ نہیں تھا کہ مسلمان اسے دیکھ کر قبول یا رد کرتے۔ جس طرح کے معجزے آپ طلب کرتے ہیں اسی طرح کے معجزے یہود و نصاریٰ اور کفار مکہ نے بھی طلب کئے تھے لیکن خدا معجزہ وہی دکھاتا ہے جو اس کی سنت کے مطابق ہو۔ چنانچہ رسول کریمؐ کو جو بے مثل معجزہ یعنی قرآن مجید عطا کیا گیا اس نے تمام لوگوں کے منہ بند کر دیئے۔ اسی طرح حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی زندگی بھی بے شمار معجزات و نشانات سے بھری پڑی ہے لیکن آپ کے پاس دیکھنے والی آنکھ نہیں ہے۔ آپ کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تمام مخالفین کی ہر طرح کی کوششیں جو انہوں نے جماعت احمدیہ کو نیست و نابود کرنے کے لئے کیں۔ مٹی میں مل گئیں لیکن جماعت احمدیہ آج بھی خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہ صرف قائم بلکہ روزافزوں ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ یہ خدا کا وہ نور ہے جس کے بارے میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ

"وہ خدا کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں لیکن خدا اپنے نور کو مکمل کرے گا چاہے کافروں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔"

(سورہ صف آیت نمبر۹)

آپ کا یہ گمان بھی غلط ہے کہ "قادیانی امت" یعنی جماعت احمدیہ پوری کی پوری حکومت

برطانیہ کی پناہ لے چکی ہے۔ وہاں صرف امام جماعت احمدیہ عارضی طور پر مقیم ہیں جبکہ جماعت احمدیہ پاکستان آپ کے سینے پر مونگ دلنے کے لئے ابھی پاکستان میں ہی موجود ہے اور تیزی سے پورے ملک میں پھیلتی جا رہی ہے۔

قرآن کی گواہی

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مصنف منکرین حدیث کے گروہ میں شامل ہے لہذا نزول مسیح کی وہ تمام متفقہ احادیث انہوں نے مسترد کر دی ہیں جو مسیح موعود کو مسلمان امت کا ایک فرد اور مصلح قرار دیتی ہیں۔ اس کی بجائے انہوں نے قرآن مجید کی دو آیات سے نزول مسیحؑ کا استنباط کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نزول کے بعد مسیحؑ کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں ہو گا اور وہ صرف یہود کی طرف نازل ہوں گے۔

اس موقع پر میں یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جماعت احمدیہ حدیث کو قرآن پر مقدم نہیں گردانتی بلکہ یہ مستحکم عقیدہ رکھتی ہے کہ ہر سچی حدیث قرآن کی تعلیم کی وضاحت کرتی ہے اور کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں جس کا تعلق قرآن کریم کی کسی نہ کسی آیت سے نہ ملتا ہو۔

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵۹ سے مصنف نے یہ استنباط کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ نزول کے بعد جتنے بھی یہودی اور عیسائی اس وقت زندہ ہوں گے وہ ان کی دعوت سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں گے اور مثال یہ دی ہے کہ بالفرض نبی کریمؐ کی حیات مبارکہ میں کوئی شخص یہ بات کہتا کہ اہل عرب میں سے کوئی نہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہیں لائے گا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اگرچہ حضورؐ کی زندگی میں تو بہت سے اہل عرب کفر کی حالت میں مر چکے ہوں گے لیکن حضورؐ کی وفات سے پہلے تمام اہل عرب ان پر ایمان لے چکے ہوں گے۔ اس مثال میں غلطی یہ ہے کہ حضورؐ کی حیات اور حضرت عیسیٰؑ کی حیات بالکل دو مختلف چیزیں ہیں بلکہ وجہ نزاع ہی یہی اختلاف ہے۔ حضرت عیسیٰ کی حیات آسمانی کو تو ہم مانتے ہی نہیں اور اسی کو آپ دلیل بنا رہے ہیں۔ ایں چہ بوالعجبی است! پھر اس نزاعی زندگی کی مثال حضورؐ کی حیات مبارکہ سے دینا ایک دوسری غلطی ہے کیونکہ ان دونوں زندگیوں میں وجہ مشترک کوئی بات نہیں۔ ہاں اگر ایسا ہوتا کہ کافروں کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ حضورؐ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیتا تو پھر یہ بات کہی جا سکتی تھی

کہ حضورؐ کے دوبارہ زمین پر نازل ہونے کے بعد اس وقت جتنے اہل عرب موجود ہوں گے وہ حضورؐ کی وفات سے پہلے آپؐ پر ایمان لے آئیں گے۔ تب آپؐ کی مثال حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ دی جا سکتی تھی لیکن اس امکان کو بھی اللہ تعالیٰ نے "**هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا**" کہہ کر مسترد فرمایا دیا ہے۔ اب اس نص قرآنی کی موجودگی میں آپ ہم سے یہ مطالبہ کریں کہ پہلے ہم مسیحؑ کا آسمان پر زندہ جانا مانیں پھر دو ہزار سال تک ان کا وہاں زندہ رہنا مانیں اور پھر **بجسمہ** نزول مانیں تو یہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا آپ کی دی ہوئی مثال بالکل بے جوڑ اور بے فائدہ ہے۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا اصل مدعا اور منشاء کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"اور اہل کتاب میں سے کوئی نہیں جو اس پر اپنی موت سے پہلے ایمان نہ لاتا رہے اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہو گا"۔

(سورہ نساء آیت ۱۶۰)

یہ آیت واضح طور پر بتا رہی ہے کہ اس میں تمام اہل کتاب کا ذکر ہے اور چونکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ اربوں کروڑوں اہل کتاب حضرت مسیحؑ پر ایمان لائے بغیر فوت ہو چکے ہیں لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ تمام اہل کتاب مسیح کے مرنے سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں گے کیونکہ یہ بوجوہ محال ہے۔ اس مشکل کو مصنف نے اس طرح حل کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت مسیحؑ کی دوبارہ آمد کے وقت جتنے اہل کتاب زندہ ہوں گے وہ سب کے سب ان پر ایمان لے آئیں گے۔ اول تو اس بات کی ہلکی سی بھی سند اس آیت کریمہ سے نہیں ملتی کیونکہ اس میں تمام اہل کتاب کا ذکر ہے کسی مخصوص دور کے اہل کتاب کا نہیں۔ دوسرے یہ نظریہ قرآن کریم کی دوسری آیات سے متصادم ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۵۶ **وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ** (ترجمہ :اور جو تیرے پیرو ہیں انہیں ان لوگوں پر جو تیرے منکر ہیں قیامت کے دن تک غالب رکھوں گا) واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کر رہی ہے کہ آپؑ کے منکرین قیامت تک باقی رہیں گے اگرچہ آپؑ کے ماننے والوں کو ان پر غلبہ حاصل رہے گا۔ اسی طرح سورہ المائدۃ کی آیت نمبر ۱۵ **فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ** (ترجمہ : تب ہم نے ان کے درمیان قیامت تک عداوت اور سخت دشمنی ڈال دی) بھی صاف بتا رہی ہے کہ

عیسائی قیامت کے دن تک موجود رہیں گے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس آیت میں قبل موتہ کی دوسری قرات قبل موتھم آئی ہے اور تفسیر ابن کثیر کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ قرات بسند صحیح ثابت ہے' چنانچہ اس آیت کا اصل مفہوم وہی ہے جو جماعت احمدیہ نے اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام یہودی اور عیسائی اپنی اپنی موت تک اس بات پر ایمان رکھیں گے کہ مسیحؑ نے صلیب پر جان دیدی۔ یہودی ذلت پہنچانے کی خاطر اور عیسائی کفارہ کا عقیدہ ثابت کرنے کی خاطر۔

سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۴۷ پیش فرما کر مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت مسیحؑ نے جس طرح معجزانہ طور پر مہد یعنی پنگھوڑے میں کلام کیا تھا اسی طرح ادھیڑ عمر میں بھی کلام کریں گے لیکن چونکہ ادھیڑ عمر میں کلام تو سبھی کر لیتے ہیں اس لئے اس میں معجزہ نمائی اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ ادھیڑ عمر دو ہزار سال بعد ظاہر ہو۔ یعنی حضرت عیسیٰ آسمان پر زندہ ہوں اور پھر زمین پر دوبارہ آ جائیں تو ان کو ادھیڑ عمر میسر ہو سکتی ہے۔ مصنف کے نزدیک تینتیس برس ادھیڑ عمر نہیں ہوتی بلکہ عین جوانی کا دور ہوتا ہے۔ گویا دو ہزار یا تین ہزار کی عمر ادھیڑ عمر کہلاتی ہے۔ یہ غیر معمولی لمبی عمر قرآنی آیت "وہ انبیاء غیر معمولی لمبی عمر پانے والے نہیں تھے" کے خلاف ہے۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ط اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ۝

(سورہ یٰسین آیت ۶۹)

ترجمہ: جب ہم کسی کو لمبی عمر دیتے ہیں تو اس میں کمزوری پیدا کر دیتے ہیں۔ پس کیا یہ سمجھتے نہیں۔

جب مسیحؑ کی اتنی لمبی عمر ہو جائے گی تو کیا وہ اس آیت کے محکم اصول سے باہر نکل سکتے ہیں؟ جیسا کہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم میں کوئی شک نہیں لہٰذا یہ اصول مسیحؑ پر بھی اگر وہ زندہ ہیں تو ضرور چسپاں ہو گا اور اس کمزوری خلق کے بعد تبلیغ ان کے لئے ممکن نہیں رہے گی۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ مہد اور کہولت میں کلام کرنے کا کیا مطلب ہے اور یہ بات کس طرح معجزہ بنتی ہے۔

سورہ مریم کی آیت نمبر ۳۰ میں ذکر ہے کہ جب حضرت مریمؑ حضرت مسیحؑ کو لے کر

بنی اسرائیل کی طرف آئیں اور انہوں نے ان سے یہ پوچھا کہ اے مریم تو نے یہ بے حیائی والا کام کیوں کیا تو مریمؑ نے جواب دینے کی بجائے مسیحؑ کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس پر بنی اسرائیل نے کہا

"انہوں نے کہا کہ ہم اس سے کیسے بات کریں جو کل تک پنگھوڑے میں بیٹھنے والا بچہ تھا"

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریم حضرت مسیحؑ کی پیدائش کے بعد وہاں سے کہیں اور چلی گئی تھیں اور اس وقت واپس آئیں جب حضرت مسیحؑ جوان ہو چکے تھے۔ وطن واپسی پر قوم کے لوگوں نے جو ابھی اسی واقعہ کو بھولے نہیں تھے حضرت مریم سے پوچھا کہ تم نے یہ بدکاری کا کام کیوں کیا تھا۔ جوان بچے کی موجودگی میں اس طرح کا شرمناک الزام سن کر حضرت مریم شرما گئیں اور اپنے بیٹے یعنی حضرت مسیحؑ کی طرف اشارہ کیا کہ اسی سے پوچھ لو۔ تمہیں اس سے بات کر کے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ بدکاری کی پیداوار ہے یا خدا کی قدرت کا نشان۔ جس پر انہوں نے کہا کہ اس کل کے بچے سے ہم کیا پوچھیں۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مہد میں جو باتیں قرآن کریم نے حضرت مسیحؑ سے منسوب کی ہیں وہ کیا ہیں۔ قرآن کریم کے مطابق انہوں نے کہا "میں عبداللہ ہوں۔ مجھے کتاب دی گئی ہے اور نبی بنایا گیا ہے اور میں جہاں بھی جاؤں مجھے برکت دی گئی ہے اور جب تک میں زندہ رہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مجھے اپنی والدہ سے نیک سلوک کرنے والا بنایا گیا ہے اور مجھے ظالم اور سخت دل نہیں بنایا"۔

یہ تمام کلام بتا رہا ہے کہ اس کا بولنے والے ایک باشعور اور جوان شخص ہے کیونکہ اللہ کا بندہ ہونے میں تو سب لوگ برابر ہیں لیکن عبداللہ وہی کہلاتا ہے جو خدا کے احکامات کا کامل اطاعت گذار ہوں اور ایک نومولود سے اطاعت گذاری کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ مجھے کتاب دی گئی ہے بھی یہ دلالت کرتا ہے کہ وہ یہ بات کہنے کے وقت جوان تھے کیونکہ اگر ایک نومولود نے یہ بات کہی ہے تو پھر ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ کونسی کتاب دی گئی ہے اور وہ کہاں ہے۔ اسی طرح ایک نومولود کو نماز اور زکوٰۃ کے حکم کا مطلب سوائے ان احکامات کے غیر فطری اور غیر قدرتی ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ایک غیر مکلّف پر یہ پابندیاں عائد کی جائیں۔ لہٰذا یہ تمام باتیں ان کی نوجوانی کی عمر میں

کی گئی ہیں۔

قرآن کریم میں مہد کے ساتھ کہل کا جو لفظ لگایا گیا ہے اس سے ہر آدمی کے ذہن میں یہ بات پیدا ہو سکتی ہے کہ مہد میں کلام کرنا تو معجزہ ہو سکتا ہے لیکن کہولت میں کلام کرنا کس طرح معجزہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس عمر میں تو ہر شخص کلام کرتا ہے۔ پس یاد رکھنا چاہیے کہ مہد کا لفظ تیاری کے زمانہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے "**وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا**" (ترجمہ : اور میں نے اس کے لئے ترقیات کے سامان مہیا کئے) سورہ مدثر آیت ۱۵۔ پس مہد کا لفظ محاورۃ" اس زمانے کے لئے بھی بولا جاتا ہے جو تیاری کا زمانہ ہو اور تیاری کا زمانہ جوانی کا زمانہ ہوتا ہے کیونکہ اس زمانے میں انسان آئندہ کے لئے اپنے اندر طاقتیں جمع کرتا ہے۔ یہاں بھی جوانی کے زمانہ کے لئے استعارۃ" مہد کا لفظ بولا گیا ہے اور قوم کے بڑے لوگ چھوٹی عمر کے نوجوانوں کا اسی طرح ذکر کیا کرتے ہیں مگر اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ واقعہ میں پنگھوڑے میں پڑے ہوتے ہیں بلکہ یہ مراد ہوتی ہے کہ یہ ہم سے بہت چھوٹے ہیں۔

مندرجہ بالا آیت میں جب مہد کے ساتھ کہل لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ یہاں کسی عمر میں بولنے کا معجزہ مراد نہیں بلکہ بولنے کی نوعیت مراد ہے۔ کلام اپنی ذات میں بھی معجزہ ہوتا ہے قطع نظر عمر کے۔ مہد کا لفظ محاورۃ" بھی بولا جاتا ہے جیسے حضرت رسول کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ

مہد سے لحد تک علم حاصل کرو

یہاں مہد سے مراد شعوری زندگی کا آغاز ہے ورنہ گود والا بچہ تو ابھی الف بے بھی نہیں پڑھ سکتا یا بول سکتا' اسی طرح جس شخص کو نہلا دھلا کر کفن پہنا کر جنازے کی صورت میں لحد کی طرف لے جایا جا رہا ہو وہ علم کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ اگر ایک دن کے بچہ کا کلام کرنا مان لیا جائے تو یہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ پورے فلسطین میں اس کی دھوم پڑ جاتی اور انجیل نویس حضرت عیسیٰ کی خدائی کے ثبوت میں اس واقعہ کو ضرور لکھتے۔

"صبیا" یعنی بچپن کا لفظ حضرت عیسیٰؑ کے علاوہ حضرت یحییٰؑ کے لئے بھی قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے (دیکھیں سورہ مریم آیت ۱۳) لیکن بچپن میں کلام کا معجزہ حضرت یحییٰؑ سے منسوب نہیں کیا جاتا بلکہ وہاں کم عمری مراد لیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں صبیا یا مہد کا مطلب بھی کم عمری لیا جائے گا۔

ایک شبہ کا ازالہ

اس عنوان کے تحت پرانی باتیں دھراتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ احادیث مبارکہ' قرآن مجید اور حالات و واقعات یہ ثابت کر رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو عالم شباب میں ہی اس دنیا سے زندہ اٹھا لیا گیا تھا۔

میں نے اس تمام بحث کا جواب تو دے دیا ہے لیکن آپ نے یہ زیادتی کی ہے کہ اپنے مصدقہ ذرائع میں احادیث مبارکہ کو بھی شامل کر لیا ہے حالانکہ آپ نے کسی حدیث سے کوئی ثبوت نہیں دیا بلکہ ابتداء میں چند حدیثوں کا ذکر کر کے انہیں کمزور اور ضعیف کہہ چکے ہیں۔ رسولوں کے بارے میں اللہ کی یہ سنت کہ وہ اپنی قوم کے مقابلے میں ناکام نہیں ہو سکتے آپ کو یاد ہے لیکن باقی کی تمام سنتیں کہ وہ عام انسان ہوتے ہیں' غیر معمولی لمبی عمر والے نہیں ہوتے' اسی زمین میں پیدا ہوتے اور اسی زمین میں فوت ہو جاتے ہیں اور پھر کبھی دوبارہ واپس نہیں آتے' وغیرہ وغیرہ کیوں بھول گئے ہیں کیا ان کا اطلاق حضرت عیسیٰ پر نہیں ہوتا؟ اور آپ کی یہ غلط فہمی بھی نکال دوں کہ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کے مقابلے میں ناکام ہو گئے تھے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس وقت فلسطین میں بنی اسرائیل کے بارہ میں سے صرف دو قبائل موجود تھے باقی کے دس افغانستان اور کشمیر کی طرف آ کر بس چکے تھے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ ان گمشدہ قبائل کی طرف آئے اور ان قبائل نے ان کو مان لیا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ اپنے مشن میں کامیاب رہے ہیں

جہاں تک اصحاب کہف کے مثیل ہونے کا ذکر ہے تو آپ کی گالی سے قطع نظر' میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے وضع کردہ بنیادی اصول کبھی نہیں بدلتے سچائی کے دشمن اور تاریکی کے پرستار ہمیشہ خدا کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں اور مومنین پر ابتلاء کے دور بھی آتے رہتے ہیں۔ چنانچہ خود رسول کریمؐ کو ایک بار شعب ابی طالب اور ایک بار غار ثور میں پناہ لینی پڑی۔ اسی طرح جماعت احمدیہ پر بھی ابتلاء اور مصائب کا وہی دور آتا رہا جس کے دوران احمدیوں کو اپنی شناخت چھپانی پڑتی تھی اور گویا غاروں میں چھپ کر اپنا ایمان بچانا پڑتا تھا۔

آپ نے جس شبہ کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے اس میں تو آپ ناکام رہے ہیں لیکن آپ کی قابلیت کے بارے میں مجھے شبہ پڑ گیا ہے۔ آپ نے اس شبہ کو کہ حضرت

عیسیٰ ؑ کے آسمان پر جانے سے رسول کریم ؐ کی ہتک ہوتی ہے صرف احمدیوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ اگر آپ مذہبی تاریخ سے واقف ہوتے تو آپ کو علم ہوتا کہ یہ وہ ہتھیار ہے جس سے عیسائیوں نے مسلمانان عالم کا سینہ چھلنی کر رکھا ہے۔ نور محمد نقشبندی صاحب کے دیباچہ قرآن میں یہی بات تو لکھی ہے کہ پادری لیفرائے اسی ہتھیار کو لے کے ہندوستان آیا تھا کہ تمہارا نبی فوت ہو کر زمین میں دفن ہے جبکہ ہمارا مسیح خود تمہارے عقیدے کے مطابق دو ہزار سال سے آسمان پر زندہ بیٹھا ہے۔ تو پھر برتر کون ہوا؟ یہ ہے وہ حملہ جس کا جواب صرف اور صرف جماعت احمدیہ نے دیا اور اس قوت کے ساتھ عیسائیوں کا منہ توڑا کہ آج کوئی پادری بھی کسی عام احمدی سے بات چیت کرنے سے گریز کرتا ہے لیکن آپ عجیب لوگ ہیں کہ ہم نے اسلام کو جس زخم سے بچایا ہے آپ اسی زخم کو مزید گہرا کر رہے ہیں اور براہ راست عیسائیوں کی مدد کر رہے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم زمین کو چٹائی اور آسمان کو **سائبان** نہیں سمجھتے بلکہ آپ اپنا الزام ہم پر لگا رہے ہیں۔ بلندی و پستی کا جاہلانہ تصور تو آپ کا ہے اور الزام ہم کو دے رہے ہیں۔ یہی تو ہمارا رونا ہے کہ زمین سائبان اور آسمان چٹائی نہیں ہے لہذا کیسی بلندی اور کیسی پستی۔ جدید سائنس نے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ زمین کے اوپر فضا کے مختلف مراحل (Stratae) ہیں جن میں سے انسانی جسم کا گزرنا محال ہے۔ اس جدید سائنس کے ظاہر ہونے سے پہلے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے لکھ دیا تھا کہ اس جسم کا کرہ آفتاب و ماہتاب پر پہنچنا محال ہے۔ آپ کی عقل میں اتنی بات نہیں آ رہی کہ اس جسم کا وہاں پہنچنا تو آج بھی محال ہے کیونکہ جو انسان وہاں پہنچا ہے وہ قرآنی اصول "سلطان" کے تحت وہاں پہنچا ہے اور جسم پر ایک خاص لباس پہن کر۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کے پاس نہ راکٹ تھا اور نہ خلائی لباس۔

آپ کا زمین کی حرکت کے بارے میں علم بھی خاصا افسوسناک حد تک کم ہے۔ آپ نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے پیش کردہ تصورات کا مضحکہ تو اڑا دیا۔ لیکن زمین کی حرکت اور دیگر سیاروں یعنی چاند سورج وغیرہ کے مقابلے میں اس کی حرکت اور پوزیشن کے بارے میں اپنے علم سے ہمیں مستفید نہیں کیا۔ زمین اور چاند کی حرکت کے بارے میں علم حاصل کریں گے تو آپ کو خود ہی اس سوال کا جواب مل جائے گا کہ جب انسان چاند پر چہل قدمی کر رہا تھا تو زمین کے اوپر تھا یا نیچے۔

انبیاء کی معنوی اور طبعی زندگی کا ذکر کر کے آپ نے میرا کام اور آسان کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ نبی اکرمؐ کی معنوی زندگی شروع ہوتے ہی حضرت عیسیٰؑ کی معنوی زندگی ختم ہو گئی تھی اب انسانوں کے لئے ان کے اقوال حجت نہیں ہیں' نہ سابقہ اقوال نہ آئندہ اقوال' اب جبکہ ان کے اقوال حجت ہی نہیں ہیں تو پھر وہ زمین پر کرنے کیا آئیں گے کیونکہ ظاہر ہے یہود بھی انسانوں میں شامل ہیں اور آپ فرما چکے ہیں کہ کسی انسان پر بھی ان کے اقوال حجت نہیں ہیں اور یہ کہ ان کی معنوی زندگی بھی ختم ہو چکی ہے تو پھر اب ان میں اور ایک عام آدمی میں کیا فرق رہا۔ لہٰذا اب ان کے نزول سے کسی فرد واحد کو کوئی بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ جہاں تک حضرت عیسیٰ کے رفع آسمانی سے نبی اکرمؐ کی کسر شان کا تعلق ہے تو آپ کسی عیسائی سے بات کر کے دیکھ لیں وہ آپ کو اسی واقعہ میں مسیحؑ کی اس قدر فضیلت آنحضرتؐ پر ثابت کر دے گا کہ اگر آپ میں عشق رسولؐ اور محبت اسلام ایک ذرہ بھی موجود ہو گی تو آپ کے ماتھے پر پسینہ آ جائے گا۔

آخر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ کی کتاب عجیب و غریب اور متضاد باتوں سے بھری پڑی ہے اور کسی بھی بات کا ثبوت قرآن مجید اور احادیث سے نہیں دیا گیا۔ اس کتاب کو پڑھ کر میرے بعض دوستوں کی یہ رائے ہے کہ اس کا جواب لکھنا محض تضیع اوقات ہے لیکن میں نے یہ تمام محنت اس لئے کی ہے کہ ایک تو مصنف نے براہ راست مجھ سے اس بات کی فرمائش کی تھی کہ میں ان کے اس کتابچہ پر تبصرہ کروں دوسرے میں مصنف پر یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ ان کے اعتراضات کا جواب میرے جیسا کم علم اور ایک ادنیٰ طالب علم بھی دے سکتا ہے چہ جائیکہ کسی عالم کو اس بارے میں تکلیف دی جائے کیونکہ ان کے پاس کرنے کے لئے اور بہت سے بڑے بڑے کام ہیں۔ یعنی

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا

میں مصنف سے اس بات کی بھی معذرت کرتا ہوں کہ کسی کسی جگہ میں نے سخت زبان استعمال کی ہے لیکن مصنف کے اعتراضات اور اپنی بات پر اصرار کے مقابلے میں میرے لئے ایسا کرنا ناگزیر ہو گیا تھا یعنی

"بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر"

پھر بھی اگر کوئی ایسا فقرہ یا لفظ میری تحریر میں آ گیا ہو جس سے مصنف تیخ پا ہو جائے تو اس کے لئے ایک بار پھر معذرت کہ میرا مدعا دل دکھانا نہیں بلکہ حقیقت واضح کرنا ہے۔